جلد 16 شمارہ 6 ماہ جون 2014ء شعبان المعظم 1435ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: **محمد یعقوب توحیدی** شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مدیر: **احمد رضا خان**
0321-6400942

نائب مدیر: **سید رحمت اللہ توحیدی**
0333-4552212

معاون مدیر: **خالد محمود توحیدی**
0300-7374750

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 0344-9000042 / 055-3862835
ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

درسِ حدیث: علماء کا اُٹھ جانا لمحہ ٔ فکریہ

(مولانا فضل الرحیم)

﴿عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اِنّ اللہ لا یقبض العلم انتزاعاینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس روء سا جھا لا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا ا واضلوا﴾ (رواہ البخاری).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علم آدمیوں سے چھینا نہیں جاتا، لیکن عُلماء کے مٹنے سے مٹ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب عالم باقی نہیں رہتے تو لوگ جاہلوں کو سردار اور پیشوا بنا لیتے ہیں، جو علم کے بغیر فتویٰ دیتے ہیں، اس طرح خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور مخلوق کو بھی گمراہ کرڈالتے ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت سے پہلے میری اُمت میں تیس دجال اُٹھیں گے اور ہر دجال کا دعویٰ یہی ہوگا کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، علم اٹھالیا جائے گا، فتنے پھیلیں گے اور ہرج بڑھ جائے گا۔ سوال کیا گیا کہ ہرج کیا ہے؟ فرمایا: قتل! قتل! یعنی قتل عام ہوگا۔

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ علم کم ہوجائیگا، جہل پھیل جائیگا، زنا کو رواج ہوگا، عورتیں زیادہ ہوجائیں گی، مرد کم ہوجائیں گے، حتیٰ کہ پچاس پچاس عورتوں کا ایک ایک مرد رکھوالا بن جائیگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا علم کو اس کے قبض ہوجانے سے پہلے سیکھ لو، علم کا قبض ہونا، اہلِ علم کا اُٹھ جانا ہے۔

ابن شہاب زہری کہا کرتے تھے کہ ہم نے علماء سے سنا ہے کہ سنت نبوی ﷺ پر استواری میں ہی نجات ہے، علم بڑی تیزی سے سلب ہوجاتا ہے، علمائے حق کے وجود سے دین اور دنیا کا استحکام ہے اور علم کی تباہی، دین و دنیا کی تباہی ہے۔

حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور فرمایا: یہ علم کے اُٹھ جانے کا وقت ہے۔ اس پر انصاری بول پڑے علم کیسے اُٹھ سکتا ہے جب کہ کتاب اللہ ہمارے پاس موجود ہے اور ہم اپنے بچوں اور عورتوں تک اس کی تعلیم دے چکے ہیں!۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: میں تو تجھے مدینے کے داناؤں میں سے خیال کرتا تھا۔ پھر اہل کتاب کا ذکر فرمایا جو کتاب اللہ کی موجودگی میں گمراہ ہوگئے۔

سعید بن جبیر سے پوچھا گیا قیامت کے آنے اور مخلوق کے برباد ہوجانے کی کیا نشانی ہے؟ جواب دیا کہ علماء کا اُٹھ جانا۔ سب سے پہلے خشوع، اخلاص اُٹھ جائے گا، کسی آدمی میں خشوع نہ پاؤ گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت پر ایک ایسا زمانہ بھی آئیگا، جب پڑھنے والے بہت ہونگے اور سمجھنے والے کم رہ جائیں گے، علم سلب کرلیا جائیگا۔ ہرج زیادہ ہوگا، عرض کیا گیا کہ ہرج کیا ہے، فرمایا کہ تمہاری آپس کی خون ریزی، پھر ایک زمانہ آئیگا جب میری اُمت کے بعض لوگ قرآن تو پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق کے نیچے نہ اُترے گا۔ پھر ایک زمانہ آئے گا جب منافق، کافروں اور مشرکوں سے کفر میں بحث کرنے لگیں گے۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اس اُمت کا پہلا دور ایسے راہ پر استوار ہے جس میں ذرا غبار نہیں، لیکن دوسرے دور میں ظلم و خودغرضی کا ظہور ہوگا۔ تیسرا دور فساد اور خون ریزی کا دور دورہ ہوگا۔ چوتھے دور میں لوگ دین سے دور جا پڑیں گے اور ہر قبیلے کا سردار وہ ہوگا، جو اس میں سب سے زیادہ فاسق، سب سے زیادہ منافق، سب سے زیادہ ذلیل ہوگا۔

قُرب و عرفان کے حصول کا طریقہ

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس طرح ہر علم کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے چند متعین طریقے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تصوف کے مقصد یعنی ذات باری تعالیٰ کا قرب و عرفان حاصل کرنے کے بھی چند خاص طریقے ہیں۔ ان طریقوں پر عمل کرنے کو "**سلوک**" کہتے ہیں۔تصوف دوسرے مذاہب میں بھی ہے،لیکن ان کا سلوک اس قدر مشکل ہے اگر کوئی اس پر پوری طرح عمل کرے تو دنیا کا کام کر کے اپنی اور بال بچوں کی ضروریات زندگی حاصل کرنے کیلئے بالکل وقت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام مذاہب میں دنیا کو چھوڑے بغیر کام نہیں بنتا۔ مذہب اسلام کا سلوک ایسا نہیں ہے۔اس میں سالک دنیا کے سارے کام بوجوہ احسن کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ قاعدے نہایت ہی سادہ اور سہل العمل ہیں ۔مگر سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ سلوک شروع کرتے وقت انسان اچھا مسلمان ہو، یعنی اس کے عقائد، عبادات اور اعمال قرآن کے مطابق ہوں۔وہ نماز، روزے وغیرہ کا پابند ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح پورا کرتا ہو، کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور اس کا اخلاق، اسلامی تعلیم کے معیار پر پورا اترتا ہو۔اگر کسی شخص میں یہ سب باتیں نہیں ہیں تو پہلے اس کو ایک اچھا اور پکا مسلمان بننا چاہیے، پھر سلوک شروع کرنا چاہیے۔

بات دراصل یہ ہے کہ صرف نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی اور امر و نہی کی پابندی سے آدمی پکا مسلمان تو ضرور بن جاتا ہے لیکن ولی اللہ نہیں بن سکتا۔ ورنہ جتنے بھی نمازی مسلمان ہیں آج یہ سب ولی اللہ ہوتے۔ ولی اللہ بننے کیلئے کچھ اور اونچے درجے کی عبادت اور تزکیۂ اخلاق کی بہت ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ اعرابی مسلمان ہونے کیلئے حاضر ہوئے۔

جب حضور ﷺ نے ان کو مسلمان کرلیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ مبارک ہو ہم ایمان لے آئے۔ اس پر حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ۔ (الحجرات-14)

ترجمہ: "اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا۔"

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ پہلے آدمی مسلمان بنتا ہے۔ پھر اس سے آگے ترقی کر کے مومن بنتا ہے اور پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کر کے مرتبہ احسان پر فائز ہوتا ہے۔ یعنی ولی اللہ بن جاتا ہے۔ مومن کی پہچان حضور رسول کریم ﷺ نے یہ بتائی ہے کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور مرتبہ احسان کی پہچان یہ بتائی ہے کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اس حدیث اور متذکرہ صدر آیت سے یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ ولی اللہ بننے کیلئے انسان کو پہلے پکا مسلمان بننا چاہیے اس کے بعد ہی وہ مومن اور آخر میں ولی اللہ بن سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ احباب حلقہ بیعت ہونے کے بعد عبادات اور شریعت کے دوسرے احکام پر اچھی طرح عمل کریں۔ جو لوگ ایسا نہیں کرینگے وہ اپنا مقصد حاصل نہ کرسکیں گے۔ البتہ جو لوگ پہلے ہی عبادت و شریعت کے پابند ہوں گے وہ بیعت ہونے کے بعد سلوک کے طریقوں پر عمل کر کے بہت جلد کامیابی حاصل کرسکیں گے۔

اسلامی سلوک میں کوئی دقت یا پیچیدگی مطلق نہیں۔ بلکہ جس طرح اسلام ایک سیدھا اور آسان مذہب ہے اسی طرح اسلام کا سلوک بھی بالکل سادہ اور آسان ہے۔ اس میں دوسرے مذاہب کی طرح نہ تو ترکِ دنیا لازمی ہے نہ ایسے سخت مجاہدے اور ریاضتیں ہیں جن سے جسم اور نفس کو اذیت پہنچے۔ اس سلوک کے صرف دو حصے ہیں ایک تو ذکر دوسرے تزکیۂ اخلاق۔

ذکر میں نماز اور تلاوت قرآن بھی شامل ہے۔لیکن یہ دونوں چیزیں تو ہر مسلمان کرتا ہی ہے، سالک کو ان کے علاوہ کچھ اور ذکر بھی کرنا پڑتا ہے۔یہ ذکر دو طرح کا ہے ایک ''**پاس انفاس**'' اور دوسرا ''**نفی اثبات**'' اِن دونوں اذکار کی اصل قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ سے اخذ کی گئی ہے۔ پاس انفاس تو یہ ہے کہ جب آپ کا دماغ دنیوی امور سے خالی ہو اس وقت ہر سانس سے لفظ اللہ دل میں کہیں۔نفی اثبات کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔اس کا طریقہ سب جانتے ہیں۔ الغرض دونوں اذکار میں کوئی بھی ایسا نہیں جو قرآن یا حدیث کے خلاف ہو۔اسلامی سلوک کی ابتداء اور انتہا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ مزمل کی ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دی ہے، فرماتے ہیں: **وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (المزمل-8)**

ترجمہ: **"اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ۔"** ظاہر ہے کہ ربّ ایک صفاتی نام ہے،ذاتی نام باری تعالیٰ کا **اللہ** ہے تو مطلب یہ ہوا کہ لفظ اللہ کا ذکر کیا کرو۔ یہ ذکر کس طرح کیا جائے،اس کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہے۔اور فرمایا ہے:

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيْفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۝ (الاعراف-205)

ترجمہ: اور اپنے ربّ کو دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے زبان سے آواز نکالے بغیر صبح اور شام اور غافلوں میں نہ ہونا۔'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَاذْكُرُواْ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِكُمْ (سورۃ النساء-103)

ترجمہ: ''اور جب تم نماز ختم کر چکو تو اللہ کو یاد کیا کرو،اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے۔''

ذکر کے متعلق جو آیات قرآن مجید میں ہیں اُن کو اور ان دونوں آیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے

اولیائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو چوبیس گھنٹے برابر ہی یاد رکھنا چاہیے اور اس یاد سے غفلت کبھی نہیں کرنی چاہئے۔

اب چونکہ ہر کام کا ایک مناسب قاعدہ ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اللہ کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کیلئے پاس انفاس کا طریقہ ایجاد کیا۔یعنی ہر سانس سے جو باہر نکلے یا اندر آئے لفظ اللہ دل میں کہا جائے آواز نکالے بغیر مگر بے خیالی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ جب بھی دل اللہ کہے تو محبت کے ساتھ اللہ کا خیال بھی دل میں آئے۔درحقیقت اس سے بہتر اور کوئی طریقہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھنے کا ہے بھی نہیں۔عام طور پر جس چیز یا جس بات کو یاد رکھنا ہو اس کو کسی ریفرنس یعنی حوالہ یا وسیلہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ یاد رکھا جا سکتا ہے۔لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں اس کا ماحول اور کیفیات تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد برابر بدلتی رہتی ہیں۔ ابھی آپ گھر میں تھے تو کچھ دیر بعد آپ دفتر میں پہنچ گئے، پھر کچھ دیر بعد آپ بازار میں تھے، تو پھر کسی میدان یا باغ میں چلے گئے۔ان متواتر تغیرات کی وجہ سے آپ کسی چیز کو بھی اللہ کی یاد کا وسیلہ نہیں بنا سکتے۔لیکن آپ کا سانس ایک ایسی چیز ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں یکساں طور پر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے۔اس لئے سانس کے علاوہ اور کوئی ایسا وسیلہ نہیں ہو سکتا جس کے ذریعہ سے خدا کو ہمیشہ یاد رکھا جا سکے۔

اسم ذات کا پاس انفاس اگر باقاعدہ اور کچھ مدت تک جم کر کیا جائے تو اس سے پہلا فائدہ جو سالک کو پہنچتا ہے وہ اطمینان قلب کا حصول ہے، اور یہ وہ دولت ہے، جس کے لئے تمام علماء وتمام فلاسفر اور تمام ماہرین نفسیات دن رات مارے مارے پھرتے ہیں اور نت نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں لیکن کچھ بن نہیں پڑتا۔لیکن اسم ذات کے پاس انفاس سے یہ دولت بے قیاس تھوڑے ہی عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے۔اور کیوں نہ ہو جب کہ اپنے کلام پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اطمینان قلب حاصل کرنے کا یہی نسخہ تجویز فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''بے شک اطمینان قلب اللہ کے ذکر سے ملتا ہے۔''

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سالک اپنی منزل مقصود کا راستہ سالوں کی بجائے مہینوں میں طے کرتا ہے۔اور چلتا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اسی ذکر سے وہ برقی حرارت قلب میں پیدا ہوتی ہے جس کو روحانی طاقت کہا جاتا ہے اور اسی حرارت سے وہ سرخوشی اور کیف وسرور سالک کو حاصل ہوتا ہے جو دنیوی حرام شراب پینے والوں کے وہم وگمان میں نہیں آسکتا۔ان تمام فوائد کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسی ذکر کے ذریعہ سے انسان کا تعلق اللہ سے قائم ہوتا ہے۔اور جوں جوں اس ذکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے یہ تعلق گہرا اور قوی سے قوی تر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق آخر کار اللہ تعالیٰ اس سالک کے کان بن جاتا ہے، جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہے، جن سے وہ دیکھتا ہے، اسکے ہاتھ بن جاتا ہے، جن سے وہ کام کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مقام تک پہنچنے کیلئے سالک کو معمولی نماز کے علاوہ کافی وقت نوافل میں بھی گزارنا پڑتا ہے۔لیکن اصل روح ان نوافل میں بھی اس ذکر کی ہوتی ہے۔

الغرض اس طرح سالک کو اللہ تعالیٰ سے ایک قوی نسبت پیدا ہوجاتی ہے اور اب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا قرب وعرفان حاصل کرسکے لیکن یہ سب کچھ دس پانچ ماہ یا دو چار سال میں نہیں ہوسکتا۔اس مرتبہ تک پہنچنے کیلئے کافی وقت لگتا ہے۔ ہمارے حلقہ کے جو دوست دو چار سال اللہ اللہ کرنے کے بعد ہی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ ابھی تک کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔وہ شاید قرب وعرفان باری تعالیٰ کو مذاق یا دل لگی خیال کرتے ہیں یا کوئی ایسی سستی چیز سمجھتے ہیں جو بازار سے پیسے دے کر خریدی جاسکتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تمام عمر محنت اور اللہ اللہ کرنے کے بعد مرتے وقت بھی یہ مرتبہ حاصل ہوجائے تو گھاٹے کا سودا

نہیں ہے۔کیونکہ روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس کی محبت میں اس دنیا سے سفر کرتی ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر آپ کو اس دنیا میں قرب ولقائے باری تعالیٰ حاصل نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تو ضرور یہ سب چیزیں حاصل ہو جائیں گی۔آپ کو سوچنا چاہیے کہ انسان کا ابدی گھر تو وہی ہے۔اگر وہاں ایک آدمی اللہ کے مقربین میں ہو تو پھر اس کو اور کیا چاہیے۔

سورہ واقعہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے تین گروہ ہونگے۔ایک بائیں ہاتھ والے اور ایک دائیں والے اور ایک آگے والے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بائیں والے عذاب میں مبتلا ہونگے یعنی دوزخی ہوں گے، دائیں والے عیش و آرام میں ہوں گے یعنی جنتی ہوں گے اور آگے والوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا کیا کہنا۔وہ تو آگے ہی بڑھنے والے ہیں اور وہی مقرب ہیں۔تو جو لوگ نیکی یا عبادت محض اللہ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں کسی معاوضے اور بدلے کے خیال سے نہیں کرتے وہی مقربین میں ہونگے اور یہ اتنی بڑی نعمت اور اتنا بلند مرتبہ ہے کہ کوئی دوسری نعمت اور کوئی دوسرا مرتبہ اس کا پاسنگ بھی نہیں ہوسکتا۔

تو اے برادران حلقہ! میری گزارش آپ سے یہی ہے کہ آپ نیکی کریں تو اللہ کی خوشنودی کیلئے عبادت کریں تو محض اللہ کے لئے اور محبت کریں تو اس کے واسطے۔آپ کے تمام اعمال و افعال اور جدوجہد کا مقصد یہی ہونا چاہیے کہ آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔جیتے جی ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی یہ دولت میسر آجائے۔اگر آپ کی یہ خواہش مستقل اور آپ کا ارادہ پکا رہے تو ناممکن ہے کہ آپ کو اپنی محنتوں کا ثمر نہ ملے۔اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔یہ تو ہوا ذکر پاس انفاس کا بیان۔دوسرا ذکر جو ہمارے سلسلہ میں کرنا پڑتا ہے وہ کلمہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کا ذکر ہے۔اس ذکر کو ذکر نفی اثبات اس لئے کہتے ہیں

کہ **لا اِلٰہ** کہتے وقت دماغ کو ہر خیال اور ہر وسوسہ سے بالکل خالی کرلیا جاتا ہے اور **اِلّا اللّٰہ** کہتے وقت صرف اللہ کا خیال دل میں جاگزین رکھا جاتا ہے ۔ یہ ذکر آہستہ آہستہ اور بہتر ہے کہ بالجہر کیا جائے ۔ یہ دراصل نفی اور اثبات کی مشق کرانے کیلئے کرایا جاتا ہے ۔ اس لئے جب تک ذکر **لا اِلٰہ** پر دو سیکنڈ ٹھہرے گا نہیں ، نفی کی مشق نہ ہو سکے گی ۔ اس طرح **اِلّا اللّٰہ** کے بعد چند سیکنڈ کا وقفہ نہ ہو تو اثبات کی عادت نہ پڑے گی ۔ یہ ذکر بالکل تنہائی میں نہایت جمعیتِ خاطر کے ساتھ کرنا چاہیے ۔ بہت سے آدمیوں کے ساتھ حلقہ ذکر میں بالجہر ذکر کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ، لیکن اصل فائدہ تنہائی میں آہستہ آہستہ ذکر کرنے سے ہی ہوتا ہے ۔ جب تک نفی کی مشق کافی نہ ہو عالمِ روحانی سے دماغ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفی کی کیفیت نہ ہو تو انسان کے پانچوں حواسِ ظاہری اس کا تعلق دنیا اور ماحول سے قائم رکھتے ہیں ۔

لیکن نفی کی حالت میں یہ حواس معطل ہو جاتے ہیں اور جب یہ حواس معطل ہو جائیں تو لاشعور بیدار ہو جاتا ہے ، اور لاشعور اس مادی دنیا اور روحانی عالم کے بیچ میں ایک برزخ ہے جب حواس ظاہری معطل اور لاشعور بیدار ہو جاتا ہے تو سالک کا تعلق مادی عالم سے منقطع ہو کر روحانی عالم سے جڑ جاتا ہے ۔ نفی کی زیادہ مشق کرنے کے لئے ذکر نفی اثبات کے علاوہ اور اوقات میں بھی کوشش کرنی چاہیے ۔ مثلاً دن میں کسی وقت جب مکمل تنہائی ہو یا رات کو سوتے وقت دماغ سے تمام خیالات نکال کر نفی کی حالت میں کچھ دیر بیٹھے رہنا یا سو جانا بہت مفید ہے ۔ مگر نفی کی زیادہ مشق بہت احتیاط سے کرنا چاہیے اور نفی کے وقفوں کو درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ بڑھانا چاہیے ورنہ نسیان پیدا ہونے اور بے ہوشی کے دورے پڑنے کا سخت خطرہ ہے ، جو کسی حالت میں بھی اچھا نہیں ہے ۔ کامل نفی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان بھرے مجمع میں بیٹھا ہوتا ہے لیکن نہ تو اسے اپنے تن بدن کا احساس ہوتا ہے اور نہ کسی اور کی موجودگی کا ۔ نہ اسے کوئی شکل دکھائی دیتی ہے اور نہ کوئی آواز سنائی دیتی ہے ۔ لیکن صرف نفی کی کیفیت پیدا کر لینا کافی نہیں ، نفی کی حالت میں کسی خاص شخص یا

چیز کا خیال دماغ میں پیدا کرنے اور اس خیال کو مستقلاً کچھ دیر تک قائم رکھنے کی طاقت اور لیاقت کا پیدا کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ یہی صحیح قسم کا ارتکازِ خیال ہے۔ اور اسی کو اثبات کہتے ہیں۔ نفی کی مثال اس سفید کاغذ کی سی ہے جو بالکل صاف ہو اور اس پر ایک لفظ یا حرف بھی لکھا ہوا نہ ہو۔

اثبات کی مثال یہ ہے کہ اس سفید کاغذ پر صرف ایک نقطہ لگا دیا جائے یا ایک لفظ لکھ دیا جائے، اب جو کوئی اس نقطہ یا لفظ کو دیکھے گا اس کی ساری توجہ اس کی طرف مرکوز رہے گی اور کسی طرف نہ ہٹ سکے گی۔ اسی طرح جب سالک کو اچھی طرح نفی کرنے کی عادت ہو جائے تو وہ قوت ارادی سے اس نفی کے عالم میں اللہ کا تصور دماغ میں قائم کرے۔ اس طرح تصور کرنے سے سالک کو اللہ کے ساتھ جو رابطہ پیدا ہوگا وہ دوسری کسی ترکیب سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے تصور کے لئے اکثر احباب حلقہ مجھ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اللہ کا تو کوئی ایسا جسم نہیں جس کی مثال دنیا اور ہمارے علم میں موجود ہو۔ پھر ہم اس کا تصور کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے:

پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ کسی تصور کی ضرورت ہی نہیں۔ صرف اللہ یاد ہو بغیر تصور کے۔ جو لوگ باقاعدہ پاس انفاس کرتے رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے دل میں قائم ہو چکی ہو، ان کے لئے بغیر تصور کے اللہ کو یاد رکھنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ یہ چیز ان کو پہلے ہی سے حاصل ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلائے محض کا تصور کیا جائے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کا تصور کیا جائے۔ ان میں سے جس طرح بھی اللہ کا اثبات ہو سکے، کامیابی کے لئے کافی ہے۔

نقوشِ مہر و وفا

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ کی زندگی میں آخری رمضان المبارک ۲۰۱۲ء میں آیا۔ آپ مرکز تعمیر ملت کے برآمدے میں اپنا دفتر سجائے بیٹھے تھے۔ رمضان المبارک شروع ہی ہوا تھا۔ آپؒ سے پوچھا گیا کہ آپ رمضان کیسے گزارتے ہیں؟ آپؒ فرمانے لگے۔

''صبح جب الارم بجتا ہے تو یہ (اماں جی کی طرف اشارہ کیا) اُٹھ بیٹھتی ہیں۔ میں بھی ساتھ ہی اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ یہ (اماں جی) اُدھر باروچی خانے چلے جاتے ہیں اور میں نے ادھر دو چار نفل پڑھے، ذکر کر لیا۔ باقی ٹائم میں کھانا تیار ہوتا ہے ادھر آ جاتے ہیں۔ چار نفل اور تھوڑا سا ذکر، وہ ہو جاتا ہے اور چلو جی کھانا تیار۔ کھانا کھالیا۔ آذان ہونے میں پندرہ، بیس منٹ ہوتے ہی ہیں کیونکہ شیعوں کی آذان پہلے ہوتی ہے، اتنی دیر میں کچھ تلاوت کر لیتے ہیں کہ نماز پڑھ کے سونا ہے۔ بیٹھ نہ گیا، چلو تلاوت کر لی۔ چوتھا حصہ سپارے کا پڑھا جاتا ہے۔ وہ پڑھ کے پھر آذانیں ہو جاتی ہیں، نماز پڑھ کر گھنٹہ ڈیڑھ سو جاتے ہیں، اتنے میں وہ صفائی کیلئے آ جاتی ہے۔ اُٹھ کے، وضو کر کے، نماز پڑھنے کے بعد آدھا پارہ، پونا پارہ صبح پڑھ لیا۔ اچھا ٹائم ہوتا ہے۔ پھر کوئی لکھائی پڑھائی، کوئی کتاب، کوئی کام کیا، بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے، سلام دعا والا، کوئی دم والے آ گئے تھوڑی بہت رونق لگی رہتی ہے، بالکل بند تو نہیں ہوتا۔

دوپہر کو پھر ظہر پڑھ کے سو گئے۔ پھر اُٹھے، عصر پڑھ کے پھر تیسرا راؤنڈ تلاوت کا شروع ہو جاتا ہے، چھوٹا سا راؤنڈ ہوتا ہے کیونکہ ٹائم ہی تھوڑا رہ جاتا ہے، اس سے اچھا کیا ہے! کہ قرآن مجید ہی پڑھ لیا، کبھی چوتھا حصہ، کبھی آدھا۔ مطلب یہ کہ تین ٹائم میں سوا پارہ، ڈیڑھ پارہ روز کا ہو جاتا ہے۔ صبح فجر کی آذان سے پہلے، صبح پھر وضو کر کے باہر بیٹھ کے۔ اِدھر ساتھ ہی قرآن شریف رکھتے ہیں کہ یہیں سے پڑھ لیا۔ پھر عصر کے وقت بھی یہیں بیٹھ کے پڑھ لیا۔

تقریباً ڈیڑھ پارہ مغرب تک کئی دفعہ ختم ہوگیا یا کچھ اوپر ہو گیا۔ روز شام کو پکوڑے، کھجور، ساتھ فروٹ چاٹ بنا لیے یا کچھ اور رکھ لیا۔ بس جی! یہ ایسے ہی ہے سب اللہ کی مہربانی سے اب صحت ٹھیک رہے تو انشاءاللہ رکھ لیں گے۔ گرمی کی طرف ایڈوانس کر رہے ہیں اب آہستہ آہستہ۔ دیکھتے ہیں جب تک رکھ سکتے ہیں۔ کیا ہے، اب یہاں بیٹھے رہتے ہیں اور کیا ہے۔ روٹی ویسے بھی اتنی ہی کھاتے ہیں۔ گرمیوں میں تو پراٹھے کے ساتھ دہی اور سالن ذرا اچھا ہے۔ بس یہ ہے کہ قرآن کریم تھوڑا زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ اب اتنی دیر پڑھتے ہوئے ہوگئی ہے، ترجمہ تقریباً تقریباً آتا ہی ہے۔ ساتھ ساتھ سمجھ آتی رہتی ہے کہ کیا پڑھ رہا ہوں، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ے اکوئی خاص موضوع رکھ لیتے ہیں کہ اس دفعہ فلاں موضوع کے بارے میں دیکھنا ہے کہ یہاں کدھر کدھر آیتیں لکھی ہیں۔ یہ بڑا اچھا ہے۔ خطبات یا مقصودِ حیات میں یہ اتنی ساری آیات اکٹھی ہوگئی ہیں، ایسے ہی ہوئی ہیں، ورنہ قرآن پاک کا کافی مطالعہ کرنا پڑتا پھر اکٹھی ہوتیں۔ ایسے ہی باری باری وہ کرلی گئیں۔ ڈائری بھی باباجیؒ نے کہا ہے کہ ساتھ رکھنی ہے۔ ایک ڈائری ساتھ رکھی ہے۔ ذکر کے بارے میں جو آیت آئی وہ لکھ لی، وہ اکٹھی ہوگئیں۔ غصہ و نفرت کے بارے میں جو آئیں، اور باقی بھی۔ خلافت کے بارے میں جو آیا ہے کہ چلو یہ بھی دیکھیں کہ کہاں کہاں آیا ہے؟ خلیفہ، اس کے بارے میں کہاں کہاں آیت آئی ہے، وہ بھی چلو اس دفعہ ذہن میں رکھتے ہیں کہ کہاں کہاں آیت ہے؟ وہ ایک پورا دورہ ہو جاتا ہے۔

ایک آپ کا (مرتب کنندہ کا) مضمون بھی آیا تھا۔ ''اس دن''۔ قرآن میں ایسے ہی شروع ہوتا ہے۔ اس دن۔ اس کو میں نے ایک Footnote شروع میں دیا تھا کہ اس دن سے مراد کیا ہے۔ لکھا تھا میں نے۔ اس دن یہ ہوگا، اس دن وہ ہوگا، بڑا اچھا تھا۔ اسے ترتیب کے ساتھ کیا جائے، Chronological order کے ساتھ کیا جائے کہ پہلے کونسا حادثہ ہوگا۔ پھر اس کا Follow up کونسا حادثہ ہوگا؟ یہ اس ترتیب سے ہو جائے کہ واقعات کس ترتیب سے ہوں گے تو بڑا اچھا مضمون بن جائے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔

سورج اگل پڑے گا۔اوربھی ہے،اسے اکٹھا کر کے کہ پہلے کیا ہو گا۔یہ آیات جو ہیں ساری کہ سورج کو یہ ہو جائے گا،چاند کو یہ ہو جائے گا۔سورج اور چاند اکٹھے ہو جائیں گے۔ظاہر ہے کہ چاند کہیں بھاگ جائے گا زمین سے یا سورج کھینچ لے گا،یا سورج کہیں قریب آجائے گا تو وہ اسے لے اڑے گا۔اس کی Scientific reasons بھی ساتھ لکھی جائیں کہ ایسا ممکن ہے۔ بس ایسے تھوڑا بھی ساتھ رکھ لیتے ہیں کہ اس موضوع کے ساتھ مطالعہ کرنا ہے۔کاغذ اور پنسل بیچ میں رکھ لیتے ہیں۔دیکھتے ہیں کہ یہ یہ چیزیں کہاں کہاں تھیں،ساتھ ساتھ جہاں وہ آئیں،اس کا ریفرنس،سورۃ کا نمبر ساتھ،اور ترجمہ کہ یہ آیا ہے۔وہ ذرا آسان ہو جاتا ہے اگر مضمون بھی لکھنا ہو تو Material اکٹھا ہو جاتا ہے۔

اس طرح کافی مضامین جو ہیں وہ بنائے گئے جیسے یوم الست یا دوسرے۔سارے اچھے Theme بن گئے کہ کیسے ہوا؟ پھر کیا ہوا؟ اس کا مقصد کیا تھا؟ آگے اس کے Results کیا ہیں دنیا میں؟انسان کے اندر ایک رب کی جستجو پائی جاتی ہے۔اس کو مان لینا،پھر دوبارہ اس کی تجدید ہے،اسلام لے آنا۔بحر حال جو آئی ہیں لکھ دیا میں نے۔اب اللہ جانے کہاں تک یہ فائدہ پہنچائیں گی بھائیوں کو اور باقی لوگوں کو۔اس میں کئی نئی باتیں بھی ہیں جیسے یہ خلافت والی بات ہے،یہ اتنی جلدی سے Digest نہیں ہوگی۔پرانے بزرگوں نے سب نے لکھا ہے۔بڑے بڑے بزرگوں نے خلیفۃ الارض یعنی اللہ کے خلیفے لکھا ہے ورنہ قرآن میں کہیں نہیں لکھا۔وہ اس کو انسان کی بڑی عظمت سمجھتے ہیں کہ اتنی عظمت ہے انسان کی کہ اللہ نے اسے درجہ دیا ہے۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جو تاویل کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام خلیفہ تھے،بس بات ختم ہوگئی۔یہاں اللہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں دیا ہے تا کہ اس میں تمہیں آزمائیں کہ تم کیا کرتے ہو۔ایک حدیث بھی ہے۔ کـلـکـم راعی و کلکم مسئولا۔"ہر بندہ حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔" یہ اس کے ساتھ Tele کرتا ہے۔ہر بندہ حکمران ہے،اس کے جو تحت ہے اس کے بارے میں سوال ہوگا کہ وہ کیا کرتا ہے تو بڑا اچھا ہے کہ آدمی Active رہے،جو اس کے ساتھ

بچے ہیں، ملازم ہیں، ماتحت ہیں، ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، ہمہ وقت اسے ذمہ داری کا احساس رہنا چاہیے کہ مجھے جوابدہی اس کی کرنی ہے۔ اچھا ہے کہ اس کا احساس رہے انسان کو۔ یہ حس ہی تو ہے انسان کی۔ احساس ہے اس کے اندر تو اچھا ہے، نہیں ہے تو بس ایسے ہی ہے کہ کیسے زندگی گزار رہے ہیں۔ احساس ہو تو ساری ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے کہ اس کے مطابق کرنا ہے۔

اسی طرح وہ دو دفعہ مرنا اور دو دفعہ جینا بھی ایک مضمون آیا تھا۔ قرآن میں اللہ نے دو دفعہ زندہ کرنے اور دو دفعہ مارنے کا لکھا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہ خَلَقَ المَوتَ وَالحَیاۃَ لِیَبلُوَکُم ۔ ''موت اور حیات پیدا کی تا کہ تمہیں آزمائیں''۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ کُنتُم اَموَات۔ تم مُردہ تھے، زندہ کیا، پھر مارے گا، پھر زندہ کرے گا۔ پہلے آپ اموات تھے۔ اموات تھے کا کیا مطلب ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ نہیں تھے۔ مگر تھے۔ اموات تمہاری ایک حالت ہے جس میں تم تھے، پھر ہمیں حیات دی، پھر مردہ کرے گا۔ موت ایک تخلیق ہے۔ خَلَقَ المَوتَ وَ الحَیاۃَ۔ موت ایک مخلوق ہے اللہ کی۔ اس میں جانا ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ جسم کے بغیر جو ہے وہ حالت موت ہے، جب جسم مل گیا تو وہ عالم حیات ہے۔ پہلے بغیر جسم کے تھے پھر دنیا میں آئے، جسم میں آ گئے، یہ حیات ہو گئے۔ ثُمَّ یُمِیتُکُم ۔ پھر جسم چھوڑ دیا جائے گا۔ روح پھر چلی جائے گی، پھر وہ عالم موت، پھر قیامت کے دن پھر جسم ملے گا، پھر وہ حیات ہے ۔ ثُمَّ یُحیِیکُم ۔ شہداء میں بھی یہی بات رکھی گئی کہ ان کو مردہ نہ کہا کرو، ان کو رزق ملتا ہے۔ مردہ، مر تو گیا، شہید ہو گیا۔ مردہ اس معنی میں کہ وہ جسم نہیں آئے گا۔ وہ مردہ ہے، اس کو رزق ملتا ہے۔ جسم ہو گا تو اس کو رزق ملے گا۔ جسم جب ملے گا تو رزق ضرور ملے گا خواہ برا ملے، خواہ تھور ملیں، خواہ کانٹے ملیں۔ دوزخ میں بھی کہا ہے کہ ملے گا ان کو۔ زقوم کا درخت کھائیں گے گرم پانی پئیں گے۔ جسم ہو گا تو خوراک ملے گی۔ تھور کا درخت ہو گا یا کانٹے دار جھاڑیوں کا ہو گا، وہی کھائیں گے، مجبوری ہے۔ جسم جب ہو گا تو خوراک ضرور ملے گی جہاں بھی ہوں گے۔ ان کو (شہداء کو) کہا ہے کہ ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ ان کو جسم مل جاتا ہے کیونکہ اللہ کا نظام ہے کہ جس طرح کا گناہ یا ثواب اسی طرح کی اس کی جزا ملتی ہے۔

جس طرح کا گناہ کیا ہوگا Punishment اسی طرح کی ملتی جلتی ہوگی۔ جس نے زندگی کی Sacrifice کی ،اس کو زندگی ہی ملنی چاہیے۔اس کو زندگی کا انعام ملنا چاہیے۔لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلکے پھلکے سبز رنگ کے جسم عطا فرماتا ہے،وہ اڑتے ہیں، Light جسم ہوتا ہے،اس کے عرش کے نیچے قندیلیں ہیں وہاں ان کا ٹھکانہ ہے۔جسم صرف ان کو ملتا ہے،اور کسی کو نہیں ملتا۔کیونکہ رزق جسم کو چاہیے،روح کو نہیں چاہیے،جسم کو مادی خوراک چاہیے،مٹی سے اُڑنے والی،جب جسم ساتھ ہوگا تو یہ چاہیے ہوگی،جب جسم ساتھ نہیں ہوگا صرف روح ہوگی تو اس کو نہیں چاہیے۔

فرمودات قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ

تقویٰ مومن کا ایمان خوف و رجا کے درمیان یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور ڈر کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو اپنے صفاتی نام ہمیں بتائے ہیں ان میں سے چند کے علاوہ باقی سب پیار،محبت،مودّت اور رحمت و رافت کے مظہر ہیں۔ڈرانے والے نام تھوڑے سے ہیں مثلاً :۔الجبار،القہار،المذل ،المنتقم وغیرہ اس لئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ اور تصور اسی نسبت کے مطابق ہونا چاہئے ۔یعنی اسی پچاسی فیصد تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔اسے اپنا مقصود و مطلوب و محبوب سمجھو اور پندرہ بیس فیصد اس سے ڈرتے بھی رہو تا کہ نافرمانی پر جسارت نہ ہو۔تقویٰ کی صفت بھی انہی جذبات کا مجموعہ ہے تقویٰ کے معنی ڈرنا ، پرہیز کرنا اور کسی ہستی یا امر کے بارے میں انتہائی فکرمند رہنا کے ہیں ۔مومن کو چونکہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے اور وہ ہر وقت اس کے قلب و ذہن پر چھایا رہتا ہے ۔اس لئے اسے یہ ڈر بھی لگا رہتا ہے کہ میرا محبوب حقیقی میری کسی حرکت سے ناراض نہ ہو جائے اس لئے وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ ہر اس امر سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو بچا رہے ۔یہی ہے تقویٰ کی حقیقی روح ۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: خالد محمود ۔ملتان

مورخہ: 15.03.2006

یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہی سبب پیدا فرماتا ہے اور جس کی اصلاح مقصود ہو اس کے لئے وسیلہ کا انتظام بھی فرما دیتا ہے۔ آپ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ الحمدللہ آپ کے دل میں ایک خاص تڑپ موجود ہے اسی لئے آپ کو حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی افادیت کما حقہ محسوس ہوئی ہے۔ اللہ کے کرم سے آپ خوب ترقی کریں گے اور سلسلہ توحیدیہ کیلئے قابلِ فخر خدمت سرانجام دیں گے۔

آپ نے داڑھی مجھ سے اجازت لئے بغیر رکھ لی ہے؟ اب ٹھیک ہی لگتی ہے۔ بس ذرا محتاط رہنا کہ مولوی نہ بن جانا کہ تنقید اور فتوے صادر کرتے رہیں ہر ایک سے محبت کرنا اور سب کی خدمت کرنا جو فقیروں کا شیوہ ہے۔۔

منزل کی طرف دو گام چلوں تو سامنے منزل آجائے

مورخہ: 08.02.2008

آپ کا پریم پتر ملا، پڑھ کر دل کو تسلی ہوئی کہ آپ پھر سے راہ شوق پر گامزن ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین۔

میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو علیحدہ علیحدہ صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ جیسے ہماری شکلیں ایک دوسرے سے نہیں ملتیں اسی طرح اندر سے بھی ہم سب مختلف ہیں۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جو آپ کو خصوصی طور پر ملی ہے کہ سلسلہ توحیدیہ کے فیض سے آپ کا سفر اِلی اللّٰہ شاندار طریقہ سے شروع ہو گیا۔ آپ کا بلا نام خط اسی لئے مجلّہ میں شائع ہوا تھا کہ قارئین جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے سچے طالبوں کیلئے روحانی ترقی کی راہیں کس طرح کشادہ

کی جاتی ہیں اور باطن میں انقلابی کیفیات اِس دور میں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

''یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء'' کا قانون اب بھی جاری و ساری ہے اور خاندان سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا فیض اس دور کے سالکین کی راہنمائی کا فریضہ اللہ کے فضل و کرم سے بخوبی سرانجام دے رہا ہے۔ اب جب کہ آپ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں، اپنے معمولات کی محافظت کریں۔ کثرت ذکر، درود شریف اور باترجمہ تلاوت قرآن کریم کا اہتمام رہنا چاہیے۔ حقوق العباد اور حقوق منصبی میں کوتاہی نہ آنے پائے۔ قطع ماسواء اللہ اور راضی برضا کا مجاہدہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

جن لوگوں نے منزل مقصود تک پہنچنا ہوتا ہے وہ عزم و ہمت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور راستے کی کسی رکاوٹ کو پرکاہ جتنی بھی وقعت نہیں دیتے۔ آپ کو بھی بانیٔ سلسلہؒ کی تعلیم کا دورہ کرتے رہنا چاہیے تاکہ اس کی روشنی میں اپنا یہ مقدس سفر جاری رکھ سکیں۔

اپنے اردگرد کے بھائیوں سے بھی خوب پیار کرتے رہا کریں۔ انہیں بھی مزید ترقی کرنے کی ترغیب دیتے رہا کریں لیکن برابر آگے بڑھتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کی برکات سے اپنے سالکوں کو نوازتے چلے جاتے ہیں اور اپنے راستے کھولتے چلے جاتے ہیں اور قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی توجہ اور برکت سے ان کی بتائی ہوئی مختصر اور آسان سی تعلیم پر عمل ہی سے قرب و لقاء کی دولت عطا فرما دیتے ہیں۔ قبلہؒ کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ے دید کے قابل تو کہاں میری نظر ہے
یہ تیری عنایت ہے جو رُخ تیرا اِدھر ہے

اللہ تعالیٰ سارے توحیدیوں پر یہ خصوصی عنایت فرمائے کہ ہمارا رُخ ان کی طرف اور ان کا ہماری طرف رہے۔ آمین

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا سست بھائیوں کے نام خط

کافی دنوں سے آپ کی محفل ذکر سے غیر حاضری اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم سے عدم دلچسپی محسوس کی جارہی ہے۔ کسی سلسلہ میں بیعت ہونے کا تو مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان کی طلب عوام الناس سے زیادہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکی رضا حاصل کر کے اس کے مقربین میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے مُرشِد پابندی صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کریم کے علاوہ اسے کثرت ذکر اور تزکیہ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ اس راہ میں غفلت، سُستی اور کوتاہی نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ ہی یہ روش اللہ والوں کو زیب دیتی ہے۔ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم قرآن وسنت کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر اور سہل العمل بھی ہے۔ اس میں نہ چلے کٹوائے جاتے ہیں نہ ہی راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ نہ ہی اس میں دنیا کو چھوڑنے کیلئے کہا جاتا ہے بلکہ دنیا کے سارے کام احسن طریقے سے سرانجام دیتے ہوئے اللہ اللہ کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے لیکن کامیابی کا انحصار خلوصِ نیت کے ساتھ مسلسل عمل اور اللہ کے فضل پر ہوتا ہے۔

آپ بانئ سلسلہ کے تحریر کردہ ہدایت نامہ برائے مریدین **"طریقت توحیدیہ"** کی روشنی میں جائزہ لیں کہ روزانہ کے ذکر کی پابندی، ہفتہ وار حلقہ ذکر میں حاضری، ماہوار خیرات فنڈ میں تعاون اور سالانہ اجتماع میں شمولیت کے لحاظ سے آپ کی کارکردگی کہاں تک سلسلہ کی تعلیم کے مطابق ہے؟ کیا آپ ایک توحیدی فقیر کہلوانے کے مستحق ہیں؟۔

یہ بات یاد رکھیں کہ سلسلہ توحیدیہ کسی مالی منفعت کیلئے قائم نہیں کیا گیا بلکہ یہ تو ایک روحانی تحریک ہے جس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ پر لگانے اور انکے اخلاق کی اصلاح کا کام روحانی فیض اور کثرت ذکر کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں رسمی اور بے مقصد پیری مریدی

کی بجائے صرف اُن لوگوں کو بیعت کیا جاتا ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی سچی لگن اور اس کے قرب و دیدار کے حصول کیلئے حقیقی تڑپ موجود ہو۔

دوسرے بھائیوں کی طرح آپ بھی اسی غرض کیلئے رضا و رغبت اپنی خوشی سے سلسلہ توحیدیہ میں بیعت ہوئے۔ اب یہ مناسب نہیں کہ غفلت اور سُستی کی وجہ سے آپ اعلیٰ روحانی مراتب اور نعمتوں سے محروم رہ جائیں۔ میری آپ کو خلوص دل کے ساتھ یہ نصیحت ہے کہ دنیا کی لذات اور نفس کی خواہشات کے فریب سے نکل آئیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت اور مخلوق خدا کی خدمت والی جماعت میں پھر سے شامل حال ہو کر قابل فخر توحیدی بن جائیں۔ میں آپ کے سراپا عمل بن جانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ اپنی رحمت سے آپ کے دل میں اپنی محبت کو تیز تر فرما کر آپ کو پھر سے اپنی رضا والے اعمال کا ذوق عطا کر دے اور حلقہ کا سرگرم رکن بنا کر آپ کو اپنی اور مخلوق کی اصلاح کے کام میں لگا دے کہ اس سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے۔ آمین!

مجھے اُمید ہے کہ میرا خط ملنے کے بعد آپ سستی ترک کر کے پھر سے فعال ہو جائیں گے اور تعلیم پر کاربند ہو کر ذکر کی محفلوں میں پوری عقیدت کے ساتھ شامل ہوا کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کی کلید، نیکیوں کا سرچشمہ اور خوبیوں کا منبع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ جن نیک بخت لوگوں کو اس دولت سے نوازنا چاہتا ہے انہیں اہلِ محبت کی صحبت میں پہنچا دیتا ہے کہ ان کے فیض ہی سے دلوں میں محبت کے چراغ روشن ہوتے اور قربِ خدا کی راہیں طے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عبادت اور محبت کے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

رمضان کا پیغام

(خرم مراد)

رمضان کے مبارک مہینے کا سایہ آپ کے سروں پر ہے۔ یہ مہینہ امیدوں کی روشنیوں کا مہینہ ہے، یہ مہینہ محنتوں کا مہینہ ہے، یہ مہینہ بے حدوحساب اجر اور نتائج کا مہینہ ہے۔ اس مہینے نے وہ صبح دیکھی جب حضورﷺ لرزتے اور کپکپاتے غارِ حرا سے قرآن فرقان کی نعمت لے کر واپس گھر آئے اور آپﷺ کی زبان پر "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔" کے الفاظ تھے۔ پھر اس مہینے نے وہ دن دیکھا جب بدر کے میدان میں زندگی نے موت پر فتح پائی، صرف اہل عرب کیلئے نہیں، رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے یہ دن یوم الفرقان قرار پایا۔ پھر اسی مہینے نے وہ دن بھی دیکھا جب غارِحرا سے اترنے والا اور مکہ سے نکالا جانے والا، صلی اللہ علیہ وسلم، مکہ میں اس شان سے داخل ہوا کہ اس کا سر اونٹنی پر اپنے ربّ کے آگے جھکا ہوا تھا، اس کے اردگرد ہزاروں قدسیوں کے لشکر تھے اور ایک قطرہ بہائے بغیر مرکزِ ارضی، بیتِ ربانی، خانہ کعبہ کے دروازے کی کنجی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہی دروازہ جس کے کھولنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ کعبہ کی کنجی ہاتھ میں آنے سے پہلے لوگوں کے دلوں کی کنجیاں آپﷺ کی مٹھی میں تھیں۔ یہ نبی کریمﷺ کی دن رات کی جدوجہد تھی، یہ آپﷺ کی ہر دم، ہر لمحہ، ان تھک دعوت الی اللہ کی کاوش تھی۔ یہ آپﷺ کی پیار اور رحمت کی روش، دل کی نرمی، اخلاقِ کریمانہ، خُلقِ عظیم اور قربِ الٰہی کی تاثیر تھی کہ یہ معجزہ رونما ہوا۔ اس پورے عرصے میں آپﷺ کو حقائق کی سنگینی اور تلخی کا پورا ادراک تھا آپﷺ نے ہر تدبیر کی، لیکن کسی لمحے جھنجھلاہٹ، غصہ، مایوسی، اور انتقام کا شائبہ بھی دل میں پیدا نہ ہوا۔

روشنیوں کا جو مہینہ آج ہمارے اوپر سایہ کیے ہوئے ہے، اس کا حاصل بھوک پیاس نہیں، رَت جگا نہیں، افطار و سحر کی مدارت نہیں، اس کا حاصل یہی ورثۂ نبویﷺ ہے۔ اس مہینے میں حضورﷺ بارش بھری ہواؤں سے بھی زیادہ فیاضی اور سخاوت کی بارش برسایا کرتے تھے۔

روحانی اوراخلاقی فیوض کی بارش بھی، مادی و مالی فیوض کی بھی۔

نیت کی پاکیزگی، اخلاص اور بے غرضی، قرآن کا قرب، قیام لیل، تقویٰ، صبر، محبت، نفس وزبان پر لگام، غصے اور جھگڑے سے اجتناب۔ اس سفر کے لئے جو زادِ راہ درکار ہے، اس کے سارے نشانات اور حصول کے راستے اس ماہِ مبارک میں موجود ہیں۔ فرمایا گیا: پیٹ کو کھانے پینے سے فاقہ کرانا، روزہ نہیں، روزہ تو یہ ہے کہ زبان کو بے ہودہ و بیکار اور شہوانی بات چیت سے فاقہ کراؤ۔ اگر کوئی تمہیں گالی دے یا جھگڑے پر اُتر آئے، تو کہہ دو میں روزے سے ہوں! آج کے مصلحین، رمضان سے یہی ایک خصلت حاصل کرلیں، تو خیر کثیر حاصل کرلیں گے۔

کیا رمضان کے لمحات دوبارہ نصیب ہوں گے؟ کون کہہ سکتا ہے، ہاں! پھر ان کو غنیمت جانیں، ان کو ضائع نہ جانے دیں، ان سے پورا فائدہ اُٹھائیں۔ مایوسیوں کو جھٹک دیں، جھوٹی اُمیدیں بھی نہ باندھیں۔ یقین رکھیں کہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگر روشنی کی کرن نمودار ہوگی، اور پیاسی دھرتی میں روئیدگی کچھ کرنے سے حاصل ہوگی، عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔ ہم بارش کا پہلا قطرہ بنیں گے تو اللہ تعالیٰ کو ہمارے پاکستان اور ہماری قوم کا مقدر بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، دیتا ہے تو بلا حساب دیتا ہے۔

اپنی اصلاح کی بھی فکر کریں، خیر اور تقویٰ عام کرنے اور اس کی بہار لانے کی بھی۔ بدکاروں کے خلاف نفرت وعداوت کے بجائے ان کیلئے نصیحت و خیر خواہی، ان سے اُمید اور ان کی نصرت کی روش اختیار کریں۔ سب کو یہی صدائیں دیں، سب کو جگائیں، سب کے دلوں کی آبیاری کریں۔

عملی پروگرام: رمضان کا مہینہ قرآن کا مہینہ ہے۔ قرآن کو زندگی کا مشن ومقصد بنانے کیلئے بہت کچھ کرنا ہوگا۔ قرآن کی تعلیم اور فہم کو عام کردیا جائے۔ ہر آدمی اس رمضان میں یہ عہد کرے اور عمل شروع کردے کہ روزانہ کم از کم تین آیات یا جتنا زیادہ ممکن ہو سکے، ضرور قرآن ترجمہ سے پڑھے گا۔ دفاتر میں قرآن کے کچھ حصے کا باترجمہ پڑھنا لازم کرلیا جائے۔

انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات

(پیر خان توحیدی)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس کائنات میں لاکھوں کروڑوں قسم کی مخلوقات کو پیدا کر کے انسان کو اِس کی سرداری سے نوازا، اور حکم دیا کہ اے انسان! یہ سارا جہاں تیرے لئے ہے لیکن تو نہیں جہاں کے لئے تو پھر اس کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور کیا تم نے پلٹ کر میری طرف نہیں آنا''۔ (سورۃ المومنون) ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن وانس کا مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ریاضت ہے انسان کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے صرف اسے ہی اپنی عبادت کے لئے منتخب کر کے اسے سرداری کا اعلیٰ منصب عطا کیا ہے سورہ دھر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! اس جہاں میں تیرا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا میں نے تمہیں ایک ملے جلے نطفہ سے پیدا کر کے سننے اور دیکھنے والا بنایا اور تیرے سامنے دو راستے مقرر کر دیئے ایک شکر والا اور ایک کفر والا اب یہ تیری مرضی ہے کہ تو شکر والا راستہ اختیار کرتا ہے یا کفر والا۔

یہ دنیا دارالعمل ہے یہاں انسان جو بھی عمل کرے گا قیامت کے روز اسی پر اسے جزا یا سزا ملے گی، نیک عمل کر کے اگر اس نے اپنے رب کو خوش کر لیا تو وہ نعمت بھری جنتوں میں داخل ہوگا اور گناہوں والی زندگی گزار کر اللہ کو ناراض کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اس کائنات میں روزِ اوّل ہی سے خیر وشر کا سامنا چلا آ رہا ہے انسان کا ازلی دشمن شیطان ہر وقت اور ہر جگہ انسان کو گناہوں کی طرف راغب کرتا ہے اور گناہوں کے کاموں کو مزین اور خوبصورت بنا کر اس طرح پیش کرتا ہے کہ انسان اس کے جھانسے میں آ کر گناہوں سے اپنا دامن بھرنے لگتا ہے حتیٰ کہ اسے نیکی اور گناہ میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ گناہوں میں

جب بہت دور نکل جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اُس کے گرد گھیرا تنگ کرتا ہے اور اسے عبرت ناک سزا دیتا ہے۔

آخر وہ کیا وجہ تھی جس نے ہمارے جدِ امجد حضرت آدمؑ کو راحت اور خوشی کے ابدی مقام جنت سے نکال کر مصیبت کے گھر دنیا میں لا ڈالا اور ابلیس کو آسمانی بادشاہت سے نکال کر راندہ درگاہ بنا دیا وہ تسبیح و تقدس اور وحدانیت کے وظیفے پڑھتا تھا۔اب کفر و شرک، مکر و فریب، دروغ گوئی اور فحاشی اس کا مقدر رہنا۔

آخر کیا وجہ تھی کہ عاد کی قوم پر ایسی آندھی بھیجی جس نے اس قوم کے ایک ایک قد آور فرد کو مردہ اور بے حس و حرکت کر کے زمین پر ڈال دیا۔وہ کونسا جرم تھا جس نے ثمود کی قوم پر ایسی چیخ اور چنگاڑ مسلط کی جس کی تیز آواز نے ان کے سینے اور پیٹ چیر دیئے۔اسی طرح وہ کیا غلیظ حرکت تھی جس کی وجہ سے قوم لوط کی بستیوں کو اُلٹ کر رکھ دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسا کر سب کو ہلاک کر دیا اور شعیبؑ کی قوم پر بادلوں سے آگ کے شعلے نمودار ہوئے اور دہکتے ہوئے انگاروں کی بارش ہوئی۔فرعون کو دریا میں ڈبو دیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا، بنی اسرائیل کے مردوں کو تہہ و تیغ کیا بچوں کو غلام بنایا گھروں کو آگ لگا دی مال و دولت لوٹ لی گئی آخر کیوں ان مجرم قوموں پر طرح طرح کی سزائیں نافذ کی گئیں۔ان کی صورتیں سور اور بندروں کی بنا دی گئیں بے شک وہ چیز، وہ جرم وہ غلیظ حرکات اور عمل صرف اور صرف نفسانی خواہشات کی پیروی میں اختیار کئے گئے گناہوں پر اصرار تھا جس کے نتیجہ میں لاتعداد لوگوں اور قوموں کو عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بے حد و حساب کرم کرنے والا رحم کرنے والا اور گناہوں کو بخشنے والا ہے لیکن جب کوئی بندہ کوئی قوم کوئی قبیلہ حد سے گزر جاتا ہے اور اپنی سرکشی میں اللہ کو بھول جاتا ہے تو پھر اللہ بھی اپنی گرفت سخت کرتا ہے اور اُسے عبرت ناک سزا بھی دیتا ہے جیسا کہ مذکورہ قوموں کو ان کے گناہوں پر ملتی رہی۔

احادیث میں بھی اس قاعدے کی وضاحت کی گئی حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت میں گناہوں کی کثرت ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا ہمہ گیر عذاب مسلط کرے گا۔ میں (اُم سلمہؓ) نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان دنوں ان میں نیک لوگ نہ ہونگے آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا تو ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہوگا فرمایا عام لوگوں کو جو مصیبت پہنچے گی وہ لوگ بھی اس کا شکار ہونگے پھر انجام کار اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

اللہ کے نافرمان اور بدکار لوگوں کی ہمیشہ سے ہی خواہش رہی ہے کہ وہ نیکی اور بدی کے نتائج کو یکساں ثابت کردیں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نیک اور بد دونوں ایک جیسی زندگی گزارتے ہیں اس لئے مرنے کے بعد بھی یکساں سلوک کے مستحق ٹھہریں گے حالانکہ یہ بات محض ان کے بے بنیاد گمانوں پر مبنی ہے کیونکہ اسلام کے مطابق معصیت اور گناہوں کے انسانی جسم اور روح پر نہایت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں جبکہ نیک اعمال سے دلوں کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، جس سے جسم اور روح پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

گناہوں کے انسانی زندگی پر مضر اثرات

۱۔علم سے محرومی: علم اللہ کا نور ہے اور اللہ ہی علم کا سرچشمہ ہے جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ ساری کائنات کی ہر چیز پر پوری دست بدست اور مکمل اختیار ہے اور اسی علم کی وجہ سے کائنات میں بلاشرکت غیرے حاکیت اعلیٰ حاصل ہے اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے اپنی خاص حکمت عملی کے تحت اس نور کو سلیم الطبع قلب اور باضمیر روح میں اتار دیتا ہے لیکن گناہوں سے یہ نور بجھ جاتا ہے۔علم اللہ کا فضل اور کرم ہے اور یہ دولت کسی نافرمان کو نہیں ملتی۔

۲۔ برکت میں کمی: گناہوں کی کثرت سے برکت مٹ جاتی ہے۔ روزی علم ومودت کردار، اطاعت اور بندگی کی برکتیں مٹتی جاتی ہیں جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اس کی عمر کم ہوجاتی ہے

جبکہ نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرنے سے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ایک گناہ کے بعد دوسرا گناہ: ایک برائی سے دوسری برائی جنم لیتی ہے اور یہ سلسلہ پھیلتا چلا جاتا ہے جبکہ نیکی کا صلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ملتی ہے اس طرح یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے اور بندہ نیک بن جاتا ہے۔

۴۔گناہوں کو حقیر سمجھنا: کثرت گناہ سے انسان کے دل میں گناہ کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور گناہ اس کی نظر میں معمولی بن جاتے ہیں، یہ علامت حد درجہ خطرناک اور ہلاکت خیز ہے کیونکہ بندے کی نظر میں گناہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو اللہ کی نظر میں وہ بہت بڑا ہے اسی لئے مومن جب اپنے گناہ پر نظر ڈالتا ہے تو اللہ کے خوف سے لرز اٹھتا ہے جبکہ فاسق فاجر اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور ہاتھ ہلانے سے اُڑ کر چلی جاتی ہے۔

۵۔وحشت اور کراہیت کا احساس: گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ ان دیکھے خوف، پریشانی اور گھبراہٹ سے دوچار رہتا ہے یہ ڈر اور خوف اسے اپنے اور اپنے رب کے درمیان اتنی شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی لذت اور راحت نہ مزا دیتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کا آرام پہنچانے دیتی ہے اس کیفیت کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کے اندر ایمان کی رمق ہو ورنہ جس کے دل پر مہر لگ جائے اُسے کہاں احساس ہو گا اس لئے دانا اور ہوش مند کو پہلی فرصت میں یہی مناسب ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کر لے۔

۶۔دلوں پر مہر: گناہوں کی کثرت سے گناہ گار کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور اس کا شمار غافلوں میں ہو جاتا ہے اس کے اندر سے نیکی اور بدی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور گناہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے اس کے دل کے گرد غلاف اور پردہ کھنچ جاتا ہے اس طرح جو ہدایت اور بصیرت اللہ کی طرف سے میسر ہوتی ہے وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔

۷۔قوت ارادی میں کمی: مسلسل گناہوں کے ارتکاب سے برائی کا ارادہ طاقت پکڑتا ہے اور پرہیز گاری پر مبنی زندگی گزارنے کا ارادہ کمزور ہو جاتا ہے ۔یوں ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب توبہ کا خیال یکسر دل سے نکل جاتا ہے اور بندگی کا حق ادا کرنے کا حوصلہ ختم ہو جاتا ہے اور دل میں ہر وقت نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا خیال جنم لیتا ہے۔

۸۔رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت: مسلسل گناہوں کے ارتکاب اور اصرار کی وجہ سے انسان رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ملعون ہو جاتا ہے اور امکان بڑھ جاتا ہے کہ روزِ قیامت وہ حضور ﷺ کی شفاعت سے بھی محروم ہو جائے گا۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں پر لعنت فرمائی ہے اور گناہ جتنا بڑا ہو گا اس کا مرتکب اس کے وبال میں اتنا ہی گرفتار ہو گا۔

۹۔نعمتوں کا چھن جانا: گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں گناہگاروں سے چھین لی جاتی ہیں۔آدمی سزا اور انتقام کی زد میں آجاتا ہے اور ہر اُس فرد یا قوم کو عذاب سے دوچار کر کے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے اس کی تعریف و توصیف کے نام چھین لیے جاتے ہیں اس کے نام سے صاحب ایمان نیکوکار فرمانبردار عابد زاہد پاک باز جیسے نام نکل جاتے ہیں اس کے بجائے فاجر فاسق سرکش بدکار چور قاتل ڈاکو اور دھوکہ باز جیسے القاب دیئے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر بدترین تلخ اور بھیانک حقیقت یہ ہے کہ جب اسکا آخری وقت آتا ہے اور مالک حقیقی سے ملاقات ناگزیر ہو جاتی ہے تو اس گھڑی اس کی زبان اور دل اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور مرتے وقت کلمہ شہادت بھی نصیب نہیں ہوتا۔چنانچہ بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتا ہے پس گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس سے بچنا اور دور رہنا سب کے لئے انتہائی ضروری اور لازمی ہے ۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے اور تقویٰ والی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

فلسفہ صوم و صلوٰۃ

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

علم کی فراوانی، وسائلِ تبلیغ کی بُہتات اور طویل اِنسانی تجربے نے ساری مہذب دنیا کو چند اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی قدروں پہ جمع کر دیا ہے۔ سچائی، دیانت، تواضع، خدمت، ایثار، عدل، احسان وغیرہ کو سب اچھا سمجھتے ہیں، اور جھوٹ، بے ایمانی، بے انصافی وغیرہ کو بُرا۔ لیکن چند اعمال ایسے ہیں مثلاً صوم، صلوٰۃ، حج اور زکوٰۃ۔ جنہیں غیر مسلم تو رہے ایک طرف، خود مسلمان بھی بے سود سمجھنے لگے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں ادائے نماز کا حکم سات سو مرتبہ دُہرایا ہے۔ لیکن کیا مجال کہ مسلمان مسجد کے قریب بھی جائے۔ بڑے لوگ (سرمایہ دار، زمیندار، بڑے تاجر اور حکام اعلیٰ) تو پہلے ہی اللہ کے سامنے جھکنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اب عوام بھی اللہ سے بھاگ نکلے ہیں۔ آج ہمارے طلباء، اساتذہ، تاجروں، کسانوں، مزدوروں اور اہلکاروں میں ایک فیصد بھی نمازی نہیں رہے۔ یہ لوگ مسجد و مُلّا کا سرِ محفل مذاق اُڑا کر دوسروں کو بھی عبادت سے متنفر کر رہے ہیں۔ حالات یہاں تک بگڑ چکے ہیں کہ حال ہی میں حیدرآباد (سندھ) گرلز کالج کی ایک مسلمان لڑکی نے اِسلام و بزرگانِ اسلام پر ایک اخباری خط میں لعنت بھیجی ہے۔ ہوا یوں کہ ایک سندھی مسلمان نے ایک مضمون میں راجہ داہر کو بھی اپنے ہیروز میں شمار کر لیا۔ اِس پر غیّور مسلمان جناب عابد نے لکھا کہ مسلمان ایک نظریاتی ملّت ہے، جس کی اَساس **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** ... ہے اس لئے ایک ہندو ہمارا ہیرو نہیں ہوسکتا۔ اِس پر اسلامی گھرانے کی ایک لاڈلی مشتعل ہوگئی۔ اُس نے مُدیر "حریّت" (کراچی) کو ایک خط لکھا: چند سطور حاضر ہیں:

"عابد صاحب! کاش! میں آپ کے منہ پر تھوک سکتی۔ آپ کے مضامین پر مذہب کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ مذہب جو کہ ذلیل لوگوں کا بنایا ہوا ہے.... خوب سمجھ لیجئے کہ نئی نسل مذہب پر لعنت بھیجتی ہے۔ راجہ داہر ایک سندھی تھا، وہ ہندو ہو یا مسلمان، ہمارا ہیرو ہے ہم سندھی،

محمد بن قاسم پر لعنت بھیجتے ہیں اور مذہب پر بھی لعنت بھیجتے ہیں۔سندھ کی عظمت اسلام سے نہیں موہنجو ڈارو سے ہے جس پر لاکھوں اسلام قربان ہو جائیں۔ **ہمارا نعرہ ہے "مَرُسُوں مَرُسُوں پر سندھ نہ ڈیسوں"** ۔ہم لڑکیوں نے یہ طے کیا کہ اپنے بچوں کے نام داہر ،کالائی، شیخ ایاز،اور رہوشو کے نام پر رکھیں گے۔" (روزنامہ "مشرق" لاہور-19.11.1968)

جس معاشرہ میں والدین اور اسکے اساتذہ خدا، رسول، اور قرآن کو ماننے کے باوجود عملاً اسلام سے باغی ہوں، اگر ان کی اولاد اور ان کے شاگرد خدا اور رسول ﷺ کو ذلیل کہیں اور اسلام پر لعنت بھیجیں، تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔بانجھ زمین سے کبھی لالہ وگل پیدا نہیں ہو سکتے۔

؎ زمینِ شور سُنبل بر نیارد (سعدی)

آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اگر اسلام سے بغاوت کا یہ سلسلہ جاری رہا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ وہی جو ہر زمانے میں ہوتے رہے، اور آج کل یورپ میں ہمارے سامنے ہیں۔یعنی

ا: تمام اخلاقی، روحانی، اور معاشرتی قدروں کی پامالی۔

ب: نوجوانوں کی آوارگی، عیاشی اور لذّت پرستی۔

ج: شراب نوشی، قماربازی، جنسی جرائم۔

د: لڑکیوں کا قبل از نکاح ماں بن جانا۔یہ وباء اس قدر پھیل چکی ہے کہ 1962ء میں امریکہ کے چند ہائی سکولوں کی لڑکیوں کا طبی معائنہ کیا گیا، تو چھیاسی فیصد حاملہ نکلیں۔اس سلسلہ میں جرمنی ذرا زیادہ محتاط تھا۔کیونکہ وہاں گوئٹے اور شلر کی پرسوز مشرقی آواز مدتوں گونجتی رہی۔ لیکن عیّاش اقوام میں محصور ہونے کے باعث آج وہاں کے حالات بھی خوشگوار نہیں رہے۔ حال ہی میں ایک جرمن فرانز کرچ مین کا ایک مقالہ مختلف اخبارات میں شائع ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے

"مغربی جرمنی کی اُن طالبات کی تعداد، جن کی عمر تیرہ سے اٹھارہ سال کے درمیان ہے، جو نکاح سے پہلے ہی مائیں بن چکی ہیں، 1950ء میں 14375 تھی، اور آج تیس ہزار ہے۔ہمارے ماہرین نفسیات، اطبا، دینی علماء، اور دینی دانشوروں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ

اس حرام کاری کے بڑے محرک ہماری فلمیں، ہمارے مصوّر رسائل، ہمارے ٹیلی وژن، اور دیگر ادارے (شبینہ کلب، رقص گاہیں، مے خانے وغیرہ ہیں) جو عیّاشی اور جنسی بے راہی کی زبردست ترغیب دیتے ہیں۔ ایک اور وجہ والدین کا ایک اپنا کردار ہے۔ جب وہ عیّاشی کر رہے ہوں، تو اولاد کو کس منہ سے روکیں۔'' **(پاکستان ٹائمز**۔اشاعت-1968-09-15)

آج یورپ حرام کاری کی دلدل میں سراپا ڈوب چکا ہے۔ اُس کے فلسفی سخت پریشان ہیں اور اس وباء کا علاج سوچ رہے ہیں۔ لیکن سوچنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اگر سوچنا تھا، تو اُس وقت سوچتے، جب نوجوانوں کو مذہب کے ڈسپلن سے آزاد کر رہے تھے۔ انہیں آسمانی قدروں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ مذہب کا تمسخر اُڑا رہے تھے۔ نسلِ نو کو بدمست، حرام کار، اور مادر، پدر آزاد بنا رہے تھے۔ اے تسخیر ماہ و انجم کا خواب دیکھنے والو! کیا تمہیں اتنی سی بات معلوم نہ تھی، کہ انسان پابندِ مذہب ہو تو فرشتہ بن جاتا ہے، اور نہ ہو تو نیرو اور چنگیز کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

اے میرے ہم وطنو! کیا تم بھی اسی انجامِ بد کو دعوت دے رہے ہو، جس میں آج یورپ گھرا ہوا ہے؟ کیا تمہیں اپنی باحیا دار، باعصمت، پاکیزہ، قانع اور بے زبان بچیاں بُری لگتی ہیں؟ اگر نہیں، تو انہیں آغوشِ گناہ میں کیوں دھکیل رہے ہو؟ کیا تمہیں اپنے مطیع، خدمت گزار اور نیک بیٹوں سے نفرت ہے؟ اگر نہیں، تو پھر ان کے سامنے اپنی لامذہب زندگی کا برا نمونہ کیوں پیش کر رہے ہو؟ انہیں انگریزی کی بد آموز فلمیں دکھا کر جنسی درندہ کیوں بنا رہے ہو؟

جوانی جہاں بھی آتی ہے، جنسی ہیجان اور جذبات کا سَیلِ تُند ساتھ لاتی ہے۔ اس سَیل کے آگے مذہب کا بند باندھنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ سب اقدار کو بہا لے جائیگا۔ اگر ہم ایک بچے کے ذہن میں اتنی سی چیز بیٹھا دیں، کہ اللہ تعالیٰ بے پناہ طاقتوں کا مالک ہے، ارض و سماء کے تمام خزائن اس کے قبضے میں ہیں۔ غم و مسرّت کا سرچشمہ وہی ہے۔ بدوں کے لئے آگ، سانپ، بچھو، اور تھوہر، تو اس کے قدم گناہ کی طرف نہیں اٹھیں گے۔ اور اگر اٹھیں گے بھی تو رُک رُک کر۔ قرآن نے گناہ سے بچنے کیلئے عبادت کا نسخہ بھی تجویز فرمایا ہے: ''نماز یقیناً گناہ و مکروہات زمانہ سے بچاتی ہے''۔ (سورہ عنکبوت)

فلسفۂ صوم

صوم عربی زبان کالفظ ہے،جس کےلغوی معنی ہیں:رُک جانا،تھم جانا۔مثلاً

الرّیاح الصائمۃ : تھم جانےوالی ہوائیں۔

السکاکین الصائمۃ : رُک جانے والی،یعنی نہ کاٹنے والی چھریاں۔

اَلْبَکْراتُ الصائمۃُ : نہ گھومنےوالی چرخیاں۔

اس کا اصطلاحی مفہوم ھے: کھانے،پینے،مُباشرت،غیبت،بدزبانی، بداندیشی،اور بدعملی سےمکمل اجتناب۔روزہ صرف بھوکا رہنے کا نام نہیں۔ بلکہ تمام منکرات سے بچنے کانام ہے۔جولوگ روزہ رکھ کرغیبت،مکروفریب،رشوت اورقماربازی سےنہیں رُکتے، شرعاًوہ صائم(روزہ دار)نہیں۔حضورپُرنورﷺ کاارشاد **بخاری - کتاب الصوم** میں ہے:۔

''حضرت ابوہریرہؓ حضورﷺ کےاس قول کےراوی ہیں کہ روزہ شیطان کےحملوں سے بچنے کیلئے ایک ڈھال ہے۔صائم کوچاہیے کہ وہ بدزبانی اورجہالت سےاجتناب کرےاوراگرکوئی شخص اس سےلڑےیاگالیاں دے،تواسےدومرتبہ کہے کہ میں روزے سےہوں۔''

''حضرت ابوہریرہؓ سےمروی ہے کہ حضور ﷺ نےفرمایا کہ جوشخص روزہ رکھ کر جھوٹ اوربدعملی سےنہیں رُکتا،اسے کہہ دو،کہ اللہ کواسکی بھوک اور پیاس کی ضرورت نہیں۔''

اسلام کا مقصد ایک ایسا انسان تیار کرنا ہے جو خواہشات ،جذبات اوراعمال میں متوازن ہو۔جومصائب میں بہت مغموم نہ ہو،اورنہ خوشی میں جامے سےباہر۔جوخواب وخور، گفت وشنید،خندہ وگریہ،جسم وروح اوردنیااورعقبٰی میں توازن قائم رکھے۔قرآن نےاس میزان کو المیزان کہاہے۔

''اللہ تعالیٰ نےآسمان بنانے کےبعدکائنات میں میزان،ترازولگادیا ہے۔خبردار! اس توازن کودرہم برہم نہ کرنا۔'' (سورۃ الرحمٰن-8-7)تمام بداعمال لوگ مثلاً راشی اہلکار،

انصاف فروش حُکام، عیّاش سرمایہ دار، لامذہب طلباء اور گراں فروش تُجار اس توازن کو درہم برہم کر رہے ہیں اور وہ بھی جو اپنے جذبات، حرکات، اعمال میں غیر متوازن ہیں۔

''جو شخص غم و مسرّت میں معتدل رہتا ہے اور نفس پہ ضبط رکھتا ہے...... جو نہ کسی سے نفرت کرتا ہے نہ مغموم ہوتا ہے نہ پُر اُمید، ہر چیز سے بے نیاز..... شہرت و گمنامی سردی و گرمی، دکھ اور سکھ، آسودگی، ہجو و ستائش میں متوازن، خاموش، قناعت پسند، بے طمع، باعزم، اور مخلص، وہ میرا نیک بندہ ہے۔'' (مُلخّص۔گیتا۔باب-12 شلوک13-19)

روزہ اس قسم کے متوازن انسان تیار کرنا چاہتا ہے۔

جس طرح فوج کو جفاکش بنانے کے لئے ہر سال ایک دو ماہ کیلئے جنگلوں اور پہاڑوں میں رکھا جاتا ہے، جہاں سپاہی ہر روز میلوں پیدل چلتے اور پہروں بھوکے پیاسے رہتے ہیں اور اسے کیمپ لائف کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ماہِ رمضان اُمت مسلمہ کیلئے کیمپ لائف ہے۔ خود ہی اندازہ فرمایئے کہ جو لوگ دنیا بھر کی نعمتوں کو ٹھکرا کر ہر روز کم از کم بارہ گھنٹے بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ پانچ نمازوں کے علاوہ تراویح اور تہجد کی بھی پابندی کرتے ہیں، سحری کے بعد دیر تک تلاوت کرتے ہیں، تمام گناہوں سے بچتے ہیں۔ پورا مہینہ اللہ کے تصور میں ڈوبے رہتے ہیں۔ غُرباء و مساکین کی پرورش کرتے ہیں اور اپنی کمائی کا خاصہ حصہ اللہ کی راہ میں دے ڈالتے ہیں۔ وہ تقدس اور توازن کی کس منزل پر پہنچ جاتے ہوں گے۔ اس قسم کے جمیل و جلیل لوگ صرف مذہب کے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں جو لوگ مذہب کو بے کار سمجھتے ہیں وہ پہلے یورپ پر نگاہ ڈالیں جہاں کی اسّی فیصد آبادی عیّاش، شرابی اور حرام کار بن چکی ہے۔ پھر اپنے بڑے بڑے گھرانوں کو دیکھیں، جہاں لڑکیاں بوائے فرینڈز کے ساتھ ناچنے کو نشانِ تہذیب سمجھتی ہیں۔

اپنے دفاتر پہ نظر ڈالیں، جہاں حاجت مند دن دہاڑے لُٹ رہے ہیں۔ اگر آج پاکستان کے ہر شعبے میں ایک محشر بپا ہے، تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی مقدس، حیات آفریں اور روشن تعلیمات کو ٹھکرا دیا ہے اور اپنے آپ کو اللہ سے زیادہ دانش مند سمجھنے لگے ہیں۔

مذہب سے بے خبری کی وجہ: آپ جانتے ہیں کہ ہماری درس گاہوں میں الٰہیات (خدائی علم) کا شعبہ موجود ہی نہیں۔ ہمارے طلباء خدا کی مشیّت، دانش، حکمت اور عظمت سے بے خبر ہیں۔ ایک کم علم ایف اے یا بی اے کو کیا خبر کہ آسمانی پیغام کی حقیقت کیا ہے؟ اس اساسی لاعلمی کے باوجود اگر ان میں سے کوئی کسی بلند منصب پر پہنچ جاتا ہے، وہ تو مذہب کو لتاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ مذہب و منصب کا بَیر بہت پرانا ہے۔ مذہب محبت کی تعلیم دیتا ہے اور منصب غرور اور نفرت کی۔ ان میں نباہ ہو تو کیوں کر۔؟

حیاتِ انسانی اسی وقت تک متوازن رہتی ہے جب تک وہ اللہ کی تجویز کردہ شاہراہ یا صراطِ مُستقیم (اسلام) پر گامزن رہے۔ اس شاہراہ سے الگ ہوتے ہی وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے انسان نے ہزارہا سال کے تجربے کے بعد حاصل کیا۔ یہ عیّاش لوگ نہ تو رازِ عروج سے آشنا ہیں، نہ تاریخِ اُمم سے واقف۔ جن کا مقصد زر اندوزی، عیّاشی، دخترانِ ملت کی آبرو ریزی ہے۔ تاریخ بیانگِ دہل اعلان کر رہی ہے کہ تمام اقوام عیّاشی کے جہنم میں گر کر تباہ ہوئی تھیں۔ گرنے سے پہلے ان کے ایک ہاتھ میں جامِ شراب تھا اور دوسرے ہاتھ میں رُباب۔

پاکستان کے عیّاشو! رک جاؤ اور تاریخ اور تقدیر کے اٹل فیصلوں سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خاطر اپنے قانون کو قطعاً نہیں بدلے گا۔ زہر جس زمانے میں بھی کھاؤ گے مرو گے۔

دنیا میں سینکڑوں اقوام آئیں اور اسی وقت تک زندہ رہیں جب تک اُن کا اخلاقی نظام مضبوط رہا، اس نظام کے کمزور ہوتے ہی ان کا انحطاط شروع ہو گیا اور اُنکی کوئی تدبیر اُنہیں تباہی سے نہ بچا سکی۔ تاریخ کیا ہے؟ اللہ کی سُنت اور اٹل قوانینِ موت و حیات کی تفسیر۔ اس وقت انسان بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے اور اسے وہ خوفناک آلاتِ مرگ و ہلاکت دھمکا رہے ہیں جو اس کی اپنی تخلیق ہیں اس کی نجات کی صرف ایک صورت ہے کہ یہ اسلام کے حصار میں پناہ لے۔

تقویٰ اور اس کے تقاضے

(غلام مرتضیٰ۔راولپنڈی)

اللہ تعالیٰ کا خوف:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیک وقت امید اور خوف کا تعلق رہنا چاہیے۔بنیادی تعلق امید کا ہے لیکن اس پر خوف کا پہرہ نہ رہے تو انسان بالکل بے پرواہ ہو جائے۔امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ خوف ایک چابک ہے جو منزل سعادت کی طرف دوڑاتا ہے لیکن خوف اس قدر زیادہ نہ ہو کہ انسان کو مایوس کردے۔خوف اور امید کے پلڑے برابر ہونا چاہئیں۔جیسے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ سب مخلوق میں سے صرف ایک آدمی جنت میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔لیکن اگر یہ اعلان ہو جائے کہ دوزخ میں صرف ایک آدمی جائے گا تو مجھے ڈر ہوگا کہ وہ آدمی کہیں میں ہی نہ ہوں۔

دنیا رنگینیوں کی جلوہ گاہ ہے آدمی اس کے فریب میں آسانی سے آجاتا ہے اس لئے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔یہ تب ہی ممکن ہے جب آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف کے لمحے خوشی کے لمحوں سے طویل تر ہوں۔

جب آسمان پر بادل گرجتے تو محبوب خداﷺ خوف الٰہی سے لبریز ہو جاتے۔چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔بارش برس جاتی تو آپ کا چہرہ مسرور ہوتا۔ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ شاید بادل عذاب الٰہی ہو۔قوم عاد نے جب بادل دیکھا تو خوش ہوئے کہ بارش برسائے گا لیکن اسی سے ان پر عذاب نازل ہوا۔

حدود شناسی:

انسان کو نہ صرف اپنے حقوق و فرائض کی حدود سمجھنا لازم ہے بلکہ دوسروں کی حدود

کا بھی خیال رکھنا چاہیے ۔انسان کو اس چیز کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیا حدود مقرر کی ہیں ۔انسان کے کیا حقوق ہیں ۔کیا رخصتیں اور کیا پابندیاں ہیں ۔وہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے ۔جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کرے وہ تقویٰ سے صریح انحراف کرتا ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ وہ دین سے باہر نہ ہو جائے اس ضمن میں درج ذیل امور کا خیال رکھا جائے ۔

(i) اپنے حق سے بڑھ کر طلب کا ہاتھ نہیں پھیلانا چاہیے ۔بعض لوگ نا اہل ہونے کے باوجود بڑے بڑے عہدوں کے طلبگار ہوتے ہیں یہ تقویٰ کے منافی ہے ۔

(ii) حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہیے ۔جو آدمی عزت کا مستحق ہو اس کی تعظیم کی جائے اسی کو ادب کہتے ہیں اور اسلام نے ادب کی بہت تاکید کی ہے ۔سورۃ الحجرات میں صحابہ کرام کو حکم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے دبی آواز سے بولیں ۔

آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے "ہر قوم کے معزز آدمی کی تعظیم کرو"۔

صغیرہ گناہوں کو معمولی نہ سمجھنا:

بعض لوگ صغیرہ گناہ کے بارے میں جان بوجھ کر بے پرواہی کر جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا عذاب زیادہ نہیں ہوگا اس لئے مضائقہ نہیں ۔انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ اللہ کا حکم کسی بھی نوعیت کا ہو، اللہ کا حکم ہے اس کی تعمیل کی پوری کوشش کرنا چاہیے ۔حدیث میں آیا ہے کہ گناہ کے چھوٹے ہونے کو نہ دیکھ بلکہ اس کی بڑائی کو دیکھ جس کی تو نافرمانی کر رہا ہے ۔ اگر اجتناب گناہ کے باوجود گناہ ہو جائے تو صغیرہ گناہ کا عذاب کم ہوگا اور کبیرہ گناہ کا زیادہ لیکن اگر آدمی صغیرہ گناہ کے بارے میں جان بوجھ کر مستقلاً بے پرواہ ہو جائے تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے ۔اسی طرح جب کبیرہ گناہ پر جان بوجھ کر اصرار کیا جائے تو یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے ۔تقویٰ کا یہ تقاضا ہے کہ انسان صغیرہ گناہ سے بھی اسی طرح پہلو بچائے جس طرح کبیرہ گناہ سے پہلو بچاتا ہے ۔

مشکوک چیزوں سے بچنا:

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان مشتبہ چیزوں سے بھی بچ کر رہے ایسا نہ ہو کسی ایسی چیز پر عمل کر بیٹھے جو اس کے نزدیک تو محض مشکوک ہو لیکن اللہ تعالی کے نزدیک حرام اور لوگوں کی نگاہ میں باعث شرم ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حلال و حرام واضح کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو ان سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی آبرو بچالی اور جو ان میں پڑا وہ حرام کا مرتکب ہوا۔ اس کی مثل ایک ممنوع چراگاہ کے کنارے پر ریوڑ چرانے والے چرواہے کی ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ کسی وقت اس ممنوع چراگاہ میں جا پڑے۔ جان لو کہ ہر بادشاہ کی خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالی کی چراگاہ اس کے محارم یعنی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ اور اس چیز کو لے جو تجھے شک میں نہیں ڈالتی"۔

"متقی شخص وہ ہے جو شبہ پڑنے پر رک جائے"۔

"انسان جب ہی متقین کے زمرہ میں آتا ہے کہ وہ دل میں کھٹکنے والی چیز کو اس لئے چھوڑ دے کہ اس میں کہیں خرابی نہ ہو"۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہے تو اسے کھالیتا۔

دوسروں کے حقوق کی پاسداری:

انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے حقوق پورے پورے ادا کرے۔ مثلاً کسی کا مال واجب الادا قرض ہو تو ادا کرنے کی کوشش کرے۔ دوسرے کی آبرو اور مرتبہ کا خیال رکھے۔ قرآن میں متقین کی ایک تعریف یہ آئی ہے کہ ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔

عدل وانصاف: جس حکومت میں عدل وانصاف کا دوردورہ ہو وہاں لوگ برائی اور حد شکنی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔اسلام نے عدل پر بہت زور دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے مسلمانو کسی قوم سے تمہاری دشمنی بھی ہو تو بے انصافی نہ کرو۔انصاف کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کے زیادہ قریب ہے۔آپ ﷺ کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے جانی دشمن یہود بھی بعض اوقات اپنے معاملات تصفیہ کے لئے آپ ﷺ کے پاس لاتے تھے

ایفائے عہد: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ پورا کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ انفال میں ایک جگہ یہ بتایا کہ مشرکین عہد شکنی کرتے ہیں فرمایا ، یہ لوگ متقی نہیں ۔مراد یہ ہے کہ عہد شکنی تقویٰ کے منافی ہے ۔غیر مسلموں کے ساتھ بھی ایفائے عہد ضروری ہے ۔وہ خود عہد توڑ دیں تو اور بات ہے ۔اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم آباد ہوتے ہیں ان کو اسلامی حکومت کی طرف سے حفاظت کا عہد حاصل ہوتا ہے۔اسلام نے ان کے ساتھ جو رعایات روا رکھی ہیں ان کی مثال اور کہیں نہیں ملتی ۔یہاں تک کہ ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو مار ڈالے تو مسلمان کو پوری سزا دی جاتی ہے یہ جماعتی تقویٰ ہے۔

تقویٰ کے ثمرات: اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کا اجر عظیم ہے۔قرآن میں متقی لوگوں کی رفعت کا جگہ جگہ ذکر آیا ہے اور بتایا کہ آخرت کی کامیابی متقی لوگوں کا حصہ ہے۔آپ ﷺ نے خطبہ قبا میں فرمایا تھا کہ تقویٰ آبرو دلاتا ہے،اللہ کو خوش کرتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔

(1) بصیرت: تقویٰ انسان میں بصیرت پیدا کرتا ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں خود بخود امتیاز ہو جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ترجمہ: "اگر تم تقویٰ رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نیک و بد میں امتیاز پیدا کردے گا"۔

(2) عمل کی اصلاح اور گناہوں کی معافی: تقویٰ نیکیوں کا سرچشمہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ "اللہ سے تقویٰ رکھو اور سیدھی بات کہو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سنوار دے اور تمہارے گناہ بخش دے۔

(3) جنت: قرآن حکیم میں ہے کہ جنت متقی لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے

(4) اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے دوست صرف متقین ہی ہیں"

(5) رزق: متقی بظاہر دنیاوی لحاظ سے بہت خسارے میں نظر آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے تنگی رزق میں مبتلا نہیں ہونے دیتا اور اسکے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ قرآن میں ہے ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھے اللہ تعالیٰ اسکے لئے (تنگی سے) چھٹکارے کا سامان کر دیتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو۔

آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اگر سب لوگ اس آیت کا سہارا لیں تو ان کیلئے کافی رہے۔

(6) بے خوفی، بے غمی اور عظیم کامیابی: متقی اصحاب کو چونکہ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اسلئے انہیں کوئی خوف مغلوب نہیں کرسکتا۔ ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر لمحہ کامیابی کی بشارت آتی ہے اور ان کے چہروں پر بشاشت رہتی ہے۔ سورۃ یونس میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف مسلط نہیں ہوتا وہ غمزدہ نہیں ہوتے (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور تقویٰ رکھتے ہیں ان کیلئے دنیا و آخرت میں بشارت ہے اللہ کے وعدے نہیں بدلتے یہی عظیم کامیابی ہے

(7) دشمن کی شرارت سے بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی مدد عجیب عجیب انداز سے ظہور رہوتی ہے اور اپنے متقی بندے کو دشمن کی فریب کاری اور شرارت سے بچاتی ہے قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ اگر تم ثابت قدم رہو اور تقویٰ رکھو تو دشمن کا داؤ پیچ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ دنیا پرستوں کے ہاں عزت کا میعار دولت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا میعار تقویٰ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔

جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ (لوگوں کے ہاں تو) مال میں فخر ہے لیکن حقیقی شرف تقویٰ میں ہے۔

اسلام اور جدید ذہن کے شبہات

(ازمحمد قطب: مترجم محمد سلیم کیانی)

جدید "تعلیم یافتہ" طبقے کی اکثریت شدید مذہبی بحران سے دوچار ہے۔ کیا مذہب فی الواقع انسانی زندگی کی کوئی حقیقت ہے؟ ممکن ہے ماضی میں ایسا ہو، مگر کیا آج بھی جب کہ سائنس نے حیات انسانی کے دھارے کا رُخ بالکل بدل ڈالا ہے اور زندگی میں سوائے سائنسی حقائق کے اور کسی چیز کی گنجائش نہیں، یہ دعویٰ صحیح ہے؟ کیا مذہب، انسان کی فطری ضرورت ہے؟ یا یہ مختلف انسانوں کی محض مزاجی کیفیت کا اظہار ہے کہ کوئی اسے قبول کرتا ہے اور کوئی اس کا انکار۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذہب کو ماننے یا نہ ماننے سے آدمی کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوتی ؟ اور ہم انسان کی جن حالتوں کو"کفر "اور"ایمان "سے تعبیر کرتے ہیں اور ان میں حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق موجود نہیں ہے؟

یہ لوگ جب اسلام کے متعلق بات کرتے ہیں تو اس میں بھی ان کے ذہن کی یہ بحرانی کیفیت موجود ہوتی ہے۔ جب انہیں بتایا جاتا ہے کہ اسلام محض ایک عقیدہ نہیں ہے، نہ یہ صرف روحانی پاکیزگی یا انسانی بھلائیوں کی تہذیب اور تنظیم تک محدود ہے، بلکہ ایک ہمہ گیر اور مربوط وحدت ہے جو اپنے اندر ایک عادلانہ نظام معیشت، متوازن معاشرتی نظام، دیوانی، فوجداری اور بین الاقوامی ضابطہ ہائے قانون، مخصوص فلسفۂ حیات اور تربیت جسمانی کا ایک نظام سمیٹے ہوئے ہے۔ جو سب دراصل اس کے بنیادی عقیدہ اور اخلاقی اور روحانی مزاج ہی کے برگ و بار ہیں تو ان حضرات کو سخت اُلجھن ہوتی ہے، کیونکہ بقول ان کے اسلام عرصہ ہوا اپنی ساری توانائی اور افادیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو کر صفحۂ ہستی سے نا پید ہو چکا ہے، اسی لئے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام کسی مردہ مذہب کا نام نہیں ہے، بلکہ زندہ و توانا اور پھلتا پھولتا نظام حیات ہے جس میں ایسے صحت مند عناصر شامل ہیں، جن کی مثال سوشلزم میں مل سکتی ہے اور نہ اشتراکیت

اور کسی نظام میں تو ان کے ضبط کے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔اور وہ ہم سے پوچھتے ہیں: کیا تم یہ سب باتیں اس مذہب کے بارے میں کہہ رہے ہو جو غلامی، جاگیرداری اور سرمایہ داری کو جائز قرار دیتا ہے؟ جو عورت کو نصف مَرد کے مساوی سمجھتا ہے؟ اور اسے گھر کی چار دیواری کے اندر قید کر کے رکھتا ہے؟ وہ مذہب جو سنگساری، قطع اعضاء اور کوڑوں کی وحشیانہ سزائیں دیتا ہے؟ جو اپنے پَیروکاروں کو خیرات پر زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے؟ اور انہیں مختلف طبقات میں بانٹ دیتا ہے تاکہ کچھ لوگ دوسروں کو اپنے استحصال بے جا کا نشانہ بنائے رکھیں؟ وہ نظام زندگی جو محنت کاروں کو عُمدہ اور آرام کی زندگی کی ضمانت نہیں دیتا؟ اور وہ اسلام جو ایسا اور ایسا ہے کیا تم یہ سب باتیں اسی اسلام کے متعلق کر رہے ہو؟ اس کا ترقی کرنا اور مستقبل میں نئی نئی کامرانیوں سے ہمکنار ہونا تو خیر دور کی بات ہے، ہمیں تو اب اس کا وجود ہی سرے سے خطرے میں نظر آتا ہے۔ آج کی دُنیا میں جب کہ مختلف معاشرتی اور اقتصادی نظاموں کے درمیان نظریاتی کشمکش برپا ہے، اسلام جیسے فرسودہ مذہب کا پنپنا اور کامیاب ہونا خارج از بحث ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے آیئے ذرا ان تعلیم یافتہ متشککین کے حقیقی خدّ وخال پر بھی ایک نظر ڈال لیں اور دیکھیں کہ ان کے شکوک وشبہات کا حقیقی منبع اور ماخذ کیا ہے؟ کیا ان کا یہ انداز فکر ان کی اپنی آزاد سوچ بچار کا نتیجہ ہے یا دوسروں کی اندھی تقلید کی پیداوار؟

واقعہ یہ ہے کہ جس قسم کے شکوک وشُبہات یہ حضرات اسلام کے خلاف ظاہر کرتے ہیں وہ ان کی اپنی آزاد سوچ اور ذہن کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ دوسروں سے ماخوذ ہیں۔ان کا اصل منبع معلوم کرنا ہو تو دَورِ جدید کی تاریخ پر نگاہ دَوڑا لیجئے۔

عہدِ وسطیٰ میں یورپ اور دُنیائے اسلام کے درمیان خوف ناک صلیبی جنگیں ہوئیں۔ اس کے بعد ایک ایسا دور آیا جب بظاہر دونوں میں صلح ہوگئی، مگر در حقیقت ان کے درمیان مستقل مفاہمت اور مصالحت کبھی نہیں ہوئی۔وہ مستقل طور پر ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہے،

چنانچہ پہلی عالمی جنگ کے دوران میں جب انگریزوں نے یروشلم پر قبضہ کیا، تو انگریز لارڈ ایلن بائی (ALLEN BYE) نے علی الاعلان کہا: ''آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہوگیا ہے''۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پچھلی دو صدیوں میں بالخصوص یورپی سامراج اور اسلامی دُنیا کے درمیان ایک مسلسل کشمکش برپا رہی ہے۔ توفیق پاشا کی غداری کی بدولت انگریزوں کو مصر میں اپنے قدم جمانے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس کی مدد سے انہوں نے اعرابی پاشا کی قیادت میں رونما ہونے والے ۱۸۸۲ء کے عوامی انقلاب کو نا کام بنادیا۔ اس کے بعد سے انگریزی پالیسی کا اصل الاصول یہ رہا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے دنیائے اسلام پر اپنی سامراجی گرفت کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جائے اور ہر ممکن طریقے سے اسلامی تحریک اور شعور کو دبایا جائے۔ ان گلیڈ اسٹون نے قرآن مجید کا ایک نسخہ ہاتھوں میں اُٹھا کر برطانوی دارالعوام کے ارکان کو بتایا: ''مصریوں کے پاس جب تک یہ کتاب موجود ہے اس وقت تک ہمیں مصر میں امن اور چین سے رہنا نصیب نہیں ہوسکتا۔''

اسی لئے انگریزوں نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ اور منحرف کرنے کیلئے شعائرِ اسلامی کو تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنایا اور انکے سامنے اسلام کی تاریک سے تاریک تصویر پیش کی تاکہ مصر پر ان کی سامراجی گرفت مضبوط رہے اور ان کے مذموم مقاصد پورے ہوتے رہیں۔

مصر میں انہوں نے جو تعلیمی پالیسی اختیار کی اس نے مسلمان طلبہ کو حقیقی معنوں میں اپنے دین سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ یہاں تک کہ انگریزی سامراج کی قائم کردہ درس گاہوں سے تکمیلِ علوم کے بعد بھی وہ اسلام کی حقیقی رُوح سے ناآشنا رہتے تھے۔ ان درس گاہوں میں اسلام کے متعلق انہیں جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ قرآن خدا کی کتاب ہے جس کو محض حصول برکت و ثواب کی خاطر پڑھا جاتا ہے اور اسلام انسان کو دوسرے مذاہب کی طرح اچھا انسان بننے اور اپنے اندر اخلاقی خوبیاں پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور انکی

طرح یہ بھی عبادات اور اوراد و ظائف ،تصوف اور کشف و کرامات کا مجموعہ ہے اور بس ۔۔
جہاں تک اسلام کے معاشرتی واقتصادی نظام یا اس کے نظام حکومت اور اس کی بین الملکی اور بین الاقوامی پالیسی ،اس کے نظام تعلیم وتربیت اور اس کی حیات بخش اور حیات آفریں حیثیت کا تعلق تھا ،طلبہ کو نہ صرف ان کے بارے میں اندھیرے میں رکھا جاتا تھا، بلکہ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کے انہیں مسلسل انجکشن دیے جاتے تھے تاکہ ان کے ذہنوں کو پراگندہ کر کے اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لئے آلہ کار بنایا جاسکے ۔

سامراج کے وضع کردہ اس نظام تعلیم میں طلباء کو صرف یہ سکھایا گیا کہ دُنیا میں صالح ترین نظام حیات یورپ کا ہے ۔بہترین نظام معیشت یورپی مفکرین کی فکری کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔اور دورِ جدید کیلئے موزوں ترین دستوری نظام حکومت وہ ہے جو اہلِ یورپ نے صدیوں کے تجربے کے بعد وضع کیا ہے ۔اس نے طلبہ کو یہ بھی ذہن نشین کرایا کہ انسان کو بنیادی حقوق سب سے پہلے انقلاب فرانس نے دلوائے ۔جمہوریت اور جمہوری زندگی کی موجودہ ہر دل عزیزی اور فروغ تمام تر اہل انگلستان کے جمہوری کارناموں کا ثمرہ ہے اور تہذیب وتمدن کی حقیقی بنیادیں رومن تہذیب وسلطنت کا عطیہ ہیں ۔الغرض اس نظام تعلیم نے یورپ اور اہل یورپ کا بڑا ہی پُر کشش اور مرعوب کن تصور پیش کیا ۔اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا یورپ ایک سرکش مگر عظیم قوت ہے جس پر کسی کو کوئی قابو یا زور حاصل نہیں اور نہ اس کے عزائم کی تکمیل کی راہ میں کوئی طاقت حائل یا مزاحم ہوسکتی ہے ۔اس کے مقابلے میں مشرق کو طلباء کے سامنے ہمیشہ حقیر اور رذیل بنا کر پیش کیا گیا ۔گویا یہ ناٹے قد کا ایک بونا ہے جس کی نہ صرف دیوقامت یورپ کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ، بلکہ اس کا وجود اور اسکی بقا سراسر اہل یورپ کی نظر کرم پر منحصر ہے ۔اسکی اپنی کوئی تہذیب یا ثقافت نہیں ہے اور جو ہے وہ اس قدر گھٹیا ہے کہ مشرق ومغرب کے معاشرتی اور ثقافتی سرمائے سے اقدار کی خوشہ چینی پر مجبور ہے ۔

سامراجیوں کی یہ سیاسی چالیں بالآخر رنگ لائیں اور مصری مسلمانوں کی جو نئی نسل اُٹھی وہ قومی خودداری اور اپنی آزاد ثقافتی انفرادیت کے احساس اور خیال سے بالکل محروم تھی۔ان کے دل اور دماغ پر یورپ اور اس کی تہذیب کا غلبہ تھا۔وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے اور نہ اپنے ذہن سے آزادانہ طور پر سوچ سکتے تھے۔ان کی نظر اور فکر دونوں کی پرواز محدود اور اپنے یورپی آقاؤں کی مرضی اور مصلحتوں کے تابع تھی۔

اس تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے،تو مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کا وجود سامراجی طاقتوں کی سیاسی ریشہ دوانیوں کا شاہکار معلوم ہوتا ہے۔یہ ان کی سازشوں کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔مسلمان معاشرے میں اس طبقے کے افکار و نظریات سامراج کے حقیقی عزائم کے صحیح آئینہ دار ہیں۔

اسلام کے بارے میں ان بے چاروں کی معلومات ناقص اور اپنے مغربی اساتذہ سے ماخوذ ہیں۔اسی طرح مذہب کے بارے میں ان کے خیالات بھی دراصل اہل یورپ کے اعتراضات وشبہات کی صدائے بازگشت ہیں،چنانچہ ان کی دیکھادیکھی یہ لوگ بھی اسلام پر طرح طرح کے بے معنی اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔کبھی کہتے ہیں کہ اسلام کا کاروبارِ سلطنت میں کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے اور کبھی سائنس اور اسلام کی مخاصمت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

لیکن جہالت کا بُرا ہو، انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ یورپ جس مذہب کے خلاف بغاوت پر مجبور ہوا تھا وہ اسلام نہیں تھا، بلکہ اس سے بالکل مختلف نوعیت کا مذہب تھا۔وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جن حالات وواقعات نے اہل یورپ کو اپنے مذہب سے بے زار اور برگشتہ کیا وہ صرف یورپ تک ہی محدود تھے۔دنیا کے کسی اور خطے میں ان کی مثال نہیں ملتی۔کم از کم اسلامی تاریخ تو اس طرح کے حالات وواقعات سے قطعاً ناآشنا ہے اور نہ آئندہ اس میں اس قسم کے واقعات رونما ہونے کا کوئی امکان ہے،مگر یورپ کے یہ اندھے مقلد بغیر سوچے سمجھے اسلام کو اپنی

معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی زندگی سے خارج کرنے پر گویا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ان کے نزدیک اسلام محض اس لئے متروک اور گردن زدنی ہے، کیونکہ اہل یورپ مذہب سے بے زار ہیں اور اپنے مذہب کو دیس نکالا دے چکے ہیں۔

یورپ میں مذہب اور سائنس کی چپقلش کا اصل باعث اہل کلیسا کی حماقت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے سوچے سمجھے بغیر یونان سے ورثے میں ملنے والے بعض سائنسی حقائق کو اپنے مذہب کا جزو بنا کر انہیں تقدس کا رنگ دے دیا تھا۔ان کے نزدیک ان کا انکار صداقت اور حقیقت کا انکار تھا، چنانچہ جب نظری اور تجرباتی طور پر سائنس نے اُن کے اِن محبوب نظریات کی خامی اور غلطی کو واشگاف کر دیا، تو بھی ان لوگوں کو عقل نہ آئی اور وہ بدستور اپنی غلطی پر مُصر رہے۔اس صورت حال نے یورپ میں کلیسا اور اہل کلیسا دونوں کے وقار کو سخت صدمہ پہنچا۔کلیسا اور سائنس کی یہ کشمکش اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی اور لوگوں میں کلیسا کے مذہبی جبر وتشدد کے خلاف شدید ردّ عمل پیدا ہوا اور اس سے نجات پانے کی خواہش انتہائی شدت پکڑ گئی جب کلیسا نے اپنے خدائی اختیارات کو انتہائی ظالمانہ طریقے سے اندھا دھند استعمال کرنا شروع کیا۔اپنے اس طرزِ عمل سے اہل یورپ کے سامنے انہوں نے مذہب کا جو تصور پیش کیا، وہ انتہائی گھناؤنا اور تاریک تھا۔ان کا مذہب ایک ایسا غول بیابانی تھا جو انسان کو دن کے وقت چین سے بیٹھنے دیتا تھا اور نہ رات کو کوئی اس کے شر سے محفوظ تھا۔کلیسا، مذہب کے نام پر عوام سے جو بھاری رقوم وصول کرتا رہتا تھا اس کی وجہ سے وہ عملاً اس کے غلام بن کر رہ گئے تھے۔اہل کلیسا زمین پر اپنے آپ کو خدا کا نمائندہ سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ لوگ انکی ہر بکواس اور خرافات کو بلا چون وچرا قبول کرلیں، چنانچہ جن سائنس دانوں نے ان کی کسی رائے سے اختلاف کیا انہیں ان لوگوں نے شدید ترین جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا اور معمولی معمولی باتوں پر انہیں زندہ آگ میں جلا دیا۔اس کی ایک مثال وہ سائنس دان تھے جو زمین کے گول ہونے کے قائل تھے۔

بہر حال کلیسا کے ان مکروہ مظالم اور جرائم نے یورپ کے تمام سوچنے سمجھنے والے، آزاد اور باضمیر افراد کو مضطرب کر دیا اور انہوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ اس عفریت کا ڈٹ کر مقابلہ کریں یا تو یہ بالکل ختم ہو جائے یا اس حد تک بے اثر ہو جائے کہ آئندہ کبھی لوگوں کو ستا اور پریشان نہ کر سکے اور نہ دنیا میں اپنی غلط مثال سے یہ گمراہ کن تاثر پھیلا سکے کہ مذہب نام ہی جھوٹ اور فریب کا ہے۔!

لیکن ہم مسلمانوں اور اسلام کے درمیان تعلق کی نوعیت وہی ہے جو اہل یورپ اور کلیسا کے تعلق کی تھی؟ اگر نہیں، تو پھر اسلام اور سائنس کے مخاصمت کے بارے میں یہ سارا ہنگامہ کیوں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اور اب تک کوئی بھی ایسی سائنسی حقیقت منظرِ عام پر نہیں آئی جس سے نظریۂ اسلام کا ابطال لازم آتا ہو۔ اسلام کے طویل دَورِ حکومت میں کوئی ایسا وقت نہیں گزرا جب سائنسدانوں کو مظالم اور وحشیانہ سزاؤں کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ آج اسلام کی ساری تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں طبّ، فلکیات، ریاضیات، طبیعیات اور کیمیا کے بڑے بڑے ماہرین ہو گزرے ہیں، لیکن کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو محض اس کے نظریات کی بدولت ظلم اور تشدّد کا نشانہ بننا پڑا۔ ان مسلمان سائنسدانوں میں سے کسی نے بھی اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی بُعد یا تضاد نہیں محسوس کیا۔ اسی طرح مسلمان حکمرانوں نے اہل کلیسا کی طرح سائنسدانوں کو کبھی اپنا حریف نہیں سمجھا، چنانچہ اسلام کی تاریخ میں نہ کسی سائنسدان کو آگ میں جلایا گیا اور نہ اسے قید و بند کی اذیتیں دی گئیں۔

مگر اس کے باوجود کچھ لوگ اسلام اور سائنس کو ایک دوسرے کے خلاف ثابت کرنے پر گویا تُلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا علم حاصل کیے بغیر اس میں کیڑے ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ سب باتیں دراصل اس زہرِ ہلاہل کی محض ظاہری علامات ہیں جو سامراجیوں نے ان کے رگ و پے میں اتار دیا ہے، مگر وہ ہیں کہ انہیں اب تک اس کا کوئی احساس تک نہیں۔

محنت

(سیّد جلیس احمد - کراچی)

جن قوموں نے صدیوں تک، اقبال و سربلندی کے پرچم لہرائے اور روئے زمین پر شان و شوکت اور سطوت و تمکنت کا سکّہ جمایا وہ سب ہمیشہ محنت و مشقت کی عادی رہیں اور دوسری طرف جب انہی قوموں کی آنے والی نسلوں نے محنت و مشقت سے جی چُرایا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنے افلاس کی دولت و ناموس کو لٹانے لگے تو ان کے نام و نشان تک مٹ گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی فرد یا قوم جتنی محنت کرے گی، اسے اس کا اتنا ہی اجر ملے گا، اُجرت ملے گی اور سر بلندی عطا ہوگی، یہ قانون قدرت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ **سورہ النجم** میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (39) وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى (40)

ترجمہ: ہر انسان کو اسی قدر ملتا ہے، جتنی اس کی محنت اور کوشش ہوتی ہے اور اس کی کوشش کا ثمرہ اس کو عنقریب دکھایا جائے گا پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

ایک حدیث شریف کے مطابق سب سے پہلے جس شخص نے کپڑا بُنا وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ وہ کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام خیاط تھے۔ حضرت ھود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تجارت اور معماری کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اس کا بیّن ثبوت ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام مویشیوں کی اُون اور دودھ سے معاش حاصل کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام زراعت کرتے تھے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام لوہا ڈھالتے تھے اور اپنے ہاتھ سے زرہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام روئے زمین کی بادشاہت کے باوجود اپنے ہاتھ سے

ٹوکریاں اور پتیوں کے پنکھے بنا کر حلال روزی کماتے تھے۔

ہمارے آقائے نامدار محمد ﷺ بنیادی طور پر تاجر تھے۔ آپ ﷺ اپنے گھر کے کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بچپن میں گلہ بانی کی پھر تجارت، مدینہ منورہ ہجرت کی تو مسجد قباء کی تعمیر میں بطور مزدوری کام کیا۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں بنفس نفیس حصہ لیا۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے میں دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح اپنے دست مبارک سے مٹی کھودی اپنے سر مبارک پر ٹوکری اُٹھاتے۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اپنے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر کوئی کھانا نہیں۔" اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو محنتی بنائے اور حلال روزی کمانے کیلئے محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اخوت:

بنی نوع انسان بالخصوص اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے انکے قبائیلی اور گروہی انتشار کو ختم کر کے انہیں رشتہ اُخوت میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی اور اسکے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔" (سورۃ آلِ عمران)

حضور ﷺ نے اُمت مسلمہ میں اتحاد و وحدت اور اُخوت کی ایسی اساس ڈالی جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں ایسا رشتۂ اخوت پیدا کیا کہ جس پر آج تک دنیا کے مفکرین حیران ہیں۔ آپ ﷺ نے اُمت کو ایک ایسے جسم سے تشبیہ دی کہ جس کے کسی بھی عضو کو تکلیف پہنچے تو جسم کے سارے اعضاء اس سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمان ایک دیوار کی طرح ہیں ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت (تھامتا) اور اسے مضبوط کرتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن الحسینی سنجری قدس سرہٗ

(۵۲۷ھ ..... ۶۳۳ھ)

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

آپ برصغیر ہندو پاک میں بڑے بڑے مشائخ کے سرحلقہ اور سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں، بیس سال تک سفر وحضر میں خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں رہے، اور آپ کے سونے کے لباس کی نگرانی فرماتے تھے، خواجہ عثمانی نے اس کے بعد نعمت خلافت سے آپ کو نوازا۔

آپ پتھورا رائے کے دورِ حکومت میں اجمیر (ہندوستان) تشریف لائے اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئے، پتھورا رائے اس زمانہ میں اجمیر میں ہی مقیم تھا، ایک روز اس نے آپؒ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بیچارا، آپؒ کے پاس فریاد لے کر پہنچا، آپ نے اس کی سفارش میں پتھورا رائے کے پاس بھیجا، لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آکر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب خواجہ اجمیریؒ کو یہ بات معلوم ہوئی، تو ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا، اسی زمانہ میں سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری کی فوج غزنی پہنچی، پتھورا لشکر اسلام سے مقابلہ کے لئے آیا اور سلطان معزالدین کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں۔

مشہور ہے کہ خواجہ اجمیریؒ کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا کہ **حبیب الله مات فی حب الله** (یعنی اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا)

روایت: بعض کے نزدیک حضرت خواجہ کی وفات ۶ رجب ۶۳۳ ہجری اور بعض کے نزدیک ماہ ذی الحجہ میں ہوئی لیکن پہلا قول صحیح ہے اور اجمیر میں جہاں آپ کی اقامت تھی وہیں مزار ہوا، آپؒ کا مزار مبارک ابتداً اینٹوں سے بنایا گیا، پھر اس کو اسی حالت میں باقی رکھ کر پتھر کا ایک صندوق

اس کے اوپر بنایا، اسی وجہ سے آپ کے مزار میں بلندی پیدا ہوگئی، سب سے پہلے آپؒ کے مزار کی عمارت خواجہ حسین ناگوری نے بنوائی، اسکے بعد دروازہ اور خانقاہ مندر کے بادشاہ نے تعمیر کرائے۔

کلام

آپؒ کے کلام و ملفوظات دلیل العارفین میں حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشیؒ نے جمع کردیئے ہیں اس میں تحریر ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہذا جو کچھ بھی اس دل میں آئیگا جل جائے گا اور نابود ہوجائیگا، کیونکہ آتش محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں، ...فرمایا:

'' بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہوجاتی ہیں۔"

...فرمایا: "میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے خود سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اولیاء بھی ہیں اگر اس دنیا میں ایک لحہ بھی اس سے حجاب میں آجائیں تو نیست و نابود ہوجائیں۔" ...فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبانی سنا ہے، فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اوّل سمندروں جیسی سخاوت، دوئم: آفتاب جیسی شفقت، سوئم: زمین جیسی تواضع۔

...فرمایا: نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر ہے اور بُرے لوگوں کی صحبت بدی کرنے سے بدتر ہے۔

...فرمایا: کہ مرید اپنی توبہ میں اس وقت راسخ اور قائم سمجھا جائے گا جب کہ اس کی بائیں طرف والے فرشتہ نے بیس سال تک اس کا ایک بھی گناہ نہ لکھا ہو۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے متاخرین صوفیاء نے اس بات کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی کہ مرید کیلئے ہر وقت توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے، اور توبہ واستغفار کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں لکھا جاتا ہے، یہ مطلب نہیں

کہ گناہ اس سے بالکل سرزد نہ ہوں، اسی وجہ سے مشائخ کرام اپنے مریدوں کو سوتے وقت توبہ استغفار کی تاکید کرتے ہیں تاکہ دن بھر کے وہ گناہ جو ابھی تک رحمت الٰہی کی وجہ سے نہیں لکھے گئے ہیں، کتابت وظہور میں نہ آجائیں۔

....فرمایا..... میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبانی سنا فرماتے تھے کہ انسان مستحق فقر اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس عالم فانی میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے، محبت کی علامت یہ ہے کہ فرمانبردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمہیں دوستی سے جدا نہ کردے۔

....فرمایا..... عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے، جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام دنیا ومافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

....فرمایا..... عارف وہ ہے کہ جو کچھ چاہے وہ فوراً اس کے سامنے آجائے اور جو کچھ بات کرے تو فوراً اس کی جانب سے اس کا جواب سن لے۔

فرمایا..... محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفات حق اس کے اندر پیدا ہوجائیں، اور محبت میں عارف کا درجہ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعویٰ کرکے آئے تو وہ اپنی قوت کرامت سے اسے گرفتار کرلے۔

فرمایا..... ہم برسوں یہ کام کرتے رہے لیکن آخر میں ہیبت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا فرمایا کہ تمہارا کوئی گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچائے گا جتنا کسی مسلمان کی بے عزتی کرنے سے پہنچے گا۔

فرمایا..... پاس انفاس اہل معرفت کی عبادت ہے اور معرفت خداوندی کی علامت یہ ہے کہ مخلوق سے بھاگے اور معرفت میں خاموش رہے۔

فرمایا..... ''عارف کو معرفت حاصل نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ معارف کو یاد نہ کرے اور عارف وہ ہے جو اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال باہر کرے تاکہ وہ بھی اسی طرح اکیلا ہوجائے جیسے اس کا محبوب یکتا ہے''۔

فرمایا..... بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبول بارگاہ ہونے کا اُمید

وارہو، اور عارف کی علامت یہ ہے کہ خاموش اور غمگین رہیگا، فرمایا کہ جس نے بھی نعمت پائی وہ سخاوت کی وجہ سے پائی۔

فرمایا..... درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے تو اسے خالی ہاتھ اور معدوم واپس نہ کرے اور عارف راہ محبت میں ایسا شخص ہے جو دو عالم سے دل کو ہٹا لے۔

فرمایا..... اس دنیا میں درویشوں کا درویشوں کے ساتھ بیٹھنا عزیز ترین چیز ہے، اور درویشوں کا درویشوں سے جدا ہونا بدترین چیز ہے۔ کیونکہ یہ جدائی علت سے خالی نہیں۔

فرمایا..... درحقیقت متوکل وہ ہے، جس کو مخلوق سے تکلیف واذیت حاصل ہو لیکن نہ وہ کسی سے شکایت کرے نہ کسی سے ذکر کرے، اور سب سے بڑا عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ حیران ہو،

فرمایا..... عارف کی علامت یہ ہے کہ موت کو پسند کرے، عیش و راحت کو چھوڑ دے اور یادِ الٰہی سے اُنس حاصل کرے،

فرمایا..... جب اللہ تعالیٰ اپنے مُحبین کو اپنے انوار سے زندہ فرمائیں تو یہی رویت ہے۔

فرمایا..... اہل محبت وہ ہیں جو اُستاد کے بغیر دوست کی باتیں سنیں،

فرمایا..... عارف وہ ہے جو صبح اُٹھے تو رات کی یاد اسے نہ آئے، فرمایا: سب سے بہتر وقت وہ ہے جب دل وسوسوں سے پاک ہو۔

فرمایا..... علم ایک بے پناہ سمندر ہے اور معرفت اس کی ایک نالی، سو کہاں خدا، کہاں بندہ، علم اللہ کے لئے ہے اور معرفت بندہ کیلئے،

فرمایا..... اہل معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پر درخشاں ہیں، اور تمام عالم ان کے نور سے روشن ہے،۔

فرمایا..... لوگ منزل گاہ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرمانبرداری کریں، کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔

مشہور ہے کہ ''اجمیر'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک ہندو راجہ کا نام جس کی حکومت حد غزنیں تک تھی ''آجا'' تھا، نیز ''آجا'' ہندی میں آفتاب کو بھی کہتے ہیں اور ''میر'' ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، ہندوؤں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہاڑوں پر تعمیر ہونے والی دیواروں میں سب سے پہلے یہی دیوار تعمیر ہوئی جو اجمیر کے پہاڑ کے اوپر ہے اسی طرح سرزمین ہند میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ ''پھکر'' کا حوض ہے جو اجمیر سے آٹھ میل ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں اور ہر سال ایک روز کیلئے ''تحویل عقرب'' کے وقت وہاں جمع ہوکر غسل کرتے ہیں، اپنی عزیز اولاد کو ایک باطل مذہب کی بدولت برباد کرتے ہیں، ان میں سے جو قیامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ قیامت بھی اسی حوض سے شروع ہوگی، اور ''آجا'' نام جو اس ملک میں ہندو پہلے سے رکھتے تھے، پتھورا سب سے آخری راجہ ہے جس سے مسلمانوں نے ملک ہند حاصل کیا،

''ناگور'' کا اکثر حصہ پتھورا کا آباد کردہ ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ پتھورا نے اپنے ایک افسر سے جو جانوروں کے گھاس دانہ کی نگرانی کرتا تھا، کہا کہ گھوڑوں کے طویلہ کیلئے کوئی مناسب اور اچھا مقام تلاش کرو، وہاں شہر بھی آباد کروں گا، وہ افسر بہت گھوما پھرا، جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں اب شہر ناگور ہے تو اس نے ایک دنبی کو دیکھا کہ اس کا بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک بھیڑیا اس بچہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو دنبی نے اپنے بچہ کو پیچھے کر کے اس بھیڑیے پر حملہ کی تیاری شروع کی، اس نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ یہ مردانہ جگہ ہے اور اس جنگل کا آب گیاہ گھوڑوں کیلئے مفید ہے، چنانچہ وہاں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام ''نوانگر'' یعنی نیا شہر رکھا، سلطان شہاب الدین غوریؒ جب یہاں پہنچے اور پتھورا مارا گیا تو ان کی ترک فوجوں کے زمانہ میں یہ لفظ ''ناگور'' بن گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبادت

(جاوید چوہدری)

مجھے دُعا کرنے کا اصل طریقہ ایک ٹریز نے سکھایا تھا، یہ جسمانی ورزش کا استاد تھا اور میرے جیسے ''مڈل ایج'' لوگوں کو ایکسر سائز کے طریقے سکھاتا تھا۔

میں اکثر سوچتا تھا ہم میں سے اکثر لوگ پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں گھنی داڑھی رکھنے کی توفیق بھی دیتا ہے، ہم وضو میں بھی رہتے ہیں، ہم عمرے بھی کرتے ہیں، حج کی سعادت بھی کثرت سے حاصل کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں لیکن اس عبادت اور ریاضت کا ہماری ذات پر کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ ہم چالیس چالیس سال کی نمازوں کے بعد بھی متشدد ہوتے ہیں، ہم شیعہ اور سنی ہوتے ہیں، ہم جاہل بھی رہتے ہیں، ہم جی بھر کر منافع بھی کھاتے ہیں، ہم ذخیرہ اندوزی بھی کرتے ہیں، ہم کم بھی تولتے ہیں، ہم کم بھی ناپتے ہیں، ہم دودھ میں پانی بھی ڈالتے ہیں، ہم جعلی ادویات بھی بناتے ہیں اور ہم اپنے ملازمین کا حق بھی مارتے ہیں۔ میں سوچتا تھا ہماری نمازیں، روزے اور حج ہماری ذات پر اثر کیوں نہیں چھوڑتے جبکہ اللہ تعالیٰ دعویٰ کرتا ہے مومن بے ایمان نہیں ہوسکتا، مومن سخت گیر بھی نہیں ہوسکتا، مومن بے انصاف اور منافق بھی نہیں ہوسکتا اور مومن متشدد اور انتہا پسند بھی نہیں ہوسکتا لیکن مومن ہونے کے باوجود ہم میں اسلام کی کوئی صفت دکھائی نہیں دیتی۔ کیوں؟ ہم اپنے اسلام سے اپنے بھائیوں اور بہنوں تک کو متاثر کیوں نہیں کر پاتے! میں اکثر سوچتا تھا، پریشان ہوتا تھا اور پھر دوسرے بے بس اور کم عقل مسلمانوں کی طرح اسے ایمان کی کمزوری قرار دے کر خاموش ہو جاتا تھا لیکن پھر مجھے وہ ٹریز ملا اور اس نے میرے ذہن کی ساری گرہیں کھول دیں۔ اس نے بتایا ایکسر سائز کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے، آپ جب کسی مسل کی ایکسر سائز کریں تو آپ دوران ایکسر سائز اس مسل کے بارے میں سوچیں۔ اس کا کہنا تھا مثلاً آپ اگر بازوؤں کی ایکسر سائز کر رہے ہیں، آپ بازوؤں

کی مدد سے وزن اُٹھا رہے ہیں تو آپ کو اپنی ذہنی یکسوئی اسی پر رکھنی چاہیے، آپ کے بازوؤں کے مسل بہت جلد ڈویلپ ہو جائیں گے، اسی طرح آپ چھاتی کی ایکسرسائز کر رہے ہوں تو آپ ایکسرسائز کے دوران چھاتی کے بارے میں سوچیں، آپ کی چھاتی کے مسل پھیل جائیں گے۔اس کا کہنا تھا ہمارا دماغ طاقت کا ہیڈ کوارٹر ہوتا ہے، ہم جب اس ہیڈ کوارٹر کے بغیر ایکسرسائز کرتے ہیں تو ہمارے مسلز پر وزن، بوجھ یا کھچاؤ تو آتا ہے لیکن انہیں طاقت نہیں ملتی چنانچہ یہ اس رفتار سے نہیں بڑھتے جس رفتار سے ہم انہیں بڑھانا چاہتے ہیں۔اس کا کہنا تھا ہم جب اپنے بازوؤں پر وزن ڈالتے ہوئے بازوؤں کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے ہیڈ کوارٹر میں جمع طاقت بازوؤں پر شفٹ ہو جاتی ہے اور یوں بازوؤں کو اندر اور باہر دونوں طرف سے طاقت ملتی ہے اور ہمارے بازوؤں کے مسل پھیلنے لگتے ہیں۔اس کا کہنا تھا یکسوئی کے بغیر بھی مسل پھیلتے ہیں لیکن ان کے پھیلنے کی شرح محض 30 فیصد ہوتی ہے اور ہم اگر اس 30 فیصد میں دماغ یا یکسوئی کا 70 فیصد شامل کر لیں تو ہمارے نتائج سو فیصد ہو جائیں گے۔

یہ لیکچر محض ایکسرسائز کے بارے میں تھا لیکن اس لیکچر کے دوران مجھ پر عبادت اور دُعا کی رمز بھی کھل گئی۔میں جان گیا ہم چالیس چالیس سال عبادت کرنے کے باوجود اس عبادت کے اثرات سے ''محفوظ'' کیوں رہتے ہیں، ہم نیکی اور پارسائی کے دریا میں غوطے لگانے کے باوجود سوکھے کیوں رہتے ہیں، پارسائی اور عبادت ہماری ذات پر اثر کیوں نہیں کرتی؟ اس کی وجہ صرف اور صرف یکسوئی ہوتی ہے۔عبادت کا تعلق روح کے ساتھ ہوتا ہے اور انسان کی تمام اچھائیاں بھی روح ہی میں سٹور ہوتی ہیں، علم ہو، سچ ہو، ایمان ہو، صفائی ہو، شائستگی ہو، تہذیب ہو، اخلاق ہو اور سماجی، معاشی اور کاروباری اخلاقیات ہوں یہ سب انسانی روح میں جمع ہوتی ہیں، ہمیں ان میں سے چند اچھائیاں، چند خوبیاں درکار ہوتی ہیں، ہم اگر عبادت کے دوران درکار اچھائیوں کے بارے میں سوچتے رہیں، ہم انہیں یکسوئی کا حصہ بنالیں تو مسلز کی طرح ہماری یہ اچھائیاں بھی مضبوط ہونے لگتی ہیں اور یہ چند دنوں، چند برسوں میں حقیقت بن کر

ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔مثلاً اگر کسی شخص کو علم چاہیے اور یہ نماز کے دوران اللہ تعالیٰ سے علم مانگنا شروع کردے، یہ ذہن میں علم کو رکھ کر نماز شروع کرے، یہ تسبیح کے دوران بھی اللہ سے علم مانگتا رہے، یہ وضو کرتے ہوئے، صدقہ کرتے ہوئے، دوسرے لوگوں کو راستہ بتاتے ہوئے اور روزے کے دوران اللہ سے علم مانگے تو اس کی روح میں چھپی طاقت اس کی دُعا کے ساتھ شامل ہوجائے گی اور یوں اس پر علم کے دروازے کھل جائیں گے، اسی طرح کوئی دکاندار ایماندار رہنا چاہے، یہ ناپ، تول اور لین دین میں کھرا ہونا چاہے، یہ جعل سازی اور فراڈ سے بچنا چاہے تو اس نیت کو اپنی نماز، اپنی عبادت کا حصہ بنالے، یہ کوئی بھی تسبیح کرے لیکن نیت میں ایمانداری رکھے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایمانداری کا سبب کھول دیتا ہے۔اسی طرح کوئی شخص صاف ستھرا رہنا چاہتا ہے لیکن اس کا کام بدبودار یا گندا ہے، یہ شخص تسبیح یا نماز کے دوران صفائی کی نیت کرلے اور پوری نماز کے دوران اللہ تعالیٰ سے صفائی مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی صفائی کے اسباب کھول دیگا لیکن یہ تمنا، یہ خواہش نیت کی شکل میں ہونی چاہیے الفاظ یا فقروں کی صورت میں نہیں ہونی چاہئے کیونکہ لفظوں اور فقروں میں بناوٹ آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بناوٹ کو پسند نہیں کرتا۔

میں نے اس نقطے کی آگہی کے بعد قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا پورا قرآن مجید، احادیث اور سیرت اسی نقطے کے اردگرد پھیلی ہے، پوری نماز، پورے روزے، پورے عمرے اور پورا حج اسی نقطے کے گرد گھومتا ہے، نماز کی زبان عربی ہے اور عرب نماز کے دوران اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ مانگتے ہیں جن کی ان کو ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر اسباب کھول دیتا ہے۔ہماری زبان عربی نہیں چنانچہ ہم نے نماز رٹ رکھی ہے اور ہم یہ رٹی ہوئی نماز میکینکل انداز میں پڑھ کر واپس آجاتے ہیں، آپ آج سے غور کریں، ہم میں سے اکثر لوگوں کا دماغ نماز کے دوران مختلف سمتوں میں بھٹکتا ہے، ہم نماز کے دوران دماغ میں کسی نہ کسی کے ساتھ مکالمہ کرتے ہیں، ہم کچھ نہ کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں، ہم پرانے حساب جوڑنے میں لگ جاتے ہیں یا بچپن کے بچھڑے ہوئے دوستوں کو یاد کرنے لگتے ہیں، ہم اگر اپنی اس سوچ کی

زبان پرغور کریں تو یہ زبان ہماری مادری زبان نکلے گی، گویا ہم نماز عربی میں پڑھتے ہیں لیکن سوچ پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو میں رہے ہوتے ہیں اور ہماری یہ سوچ کیا ہوتی ہے؟ یہ جو بھی ہو یہ طے ہے اس کا تعلق نماز کے ساتھ نہیں ہوتا چنانچہ نماز کے دوران ہماری سوچ بھٹکتی رہتی ہے اور ہم اس دوران روبوٹ کی طرح میکینکل نماز ادا کرتے رہتے ہیں، ہم امام صاحب کے پیچھے خودکار نظام کے تحت رسومات ادا کرتے جاتے ہیں اور پنجابی میں دنیا داری کے بارے میں سوچتے جاتے ہیں اور یوں ہم خود کو بہتر بنانے کا موقع کھو دیتے ہیں، ہمارے پاس اپنی عبادت کو بہتر بنانے یا اس سے زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ہم نماز کو پوری طرح سمجھ کر ادا کریں، ہمیں ایک ایک لفظ کی سمجھ آ رہی ہو اور ہم اپنی خواہشوں، اپنی نیتوں کو ان لفظوں کے ساتھ جوڑ رہے ہوں، ہم علم، خوشحالی، ایمانداری اور صفائی کو سورۃ کوثر کے ساتھ شامل کر رہے ہوں تو مجھے یقین ہے ہمارے لئے اسباب کھل جائیں گے۔ دوسرا ہم نماز عربی میں ادا کریں لیکن اپنی خواہش، اپنی نیت اور اپنی دُعا کو اپنی مادری زبان میں اس کے ساتھ جوڑ دیں، ہم خیال کو زیادہ نہ بھٹکنے دیں، ہم اسے اپنی دُعا کے قریب قریب رکھیں، ہم اگر علم چاہتے ہیں تو ہم اس علم کی نیت لے کر مسجد جائیں اور نماز کے دوران اپنی اس نیت کو تازہ رکھیں، ہماری سوچیں، ہمارے خیالات اس نیت کے ساتھ جڑے رہیں، اللہ تعالیٰ کرم کرے گا۔ میں اللہ کے کرم سے پچھلے 16 برس سے اس فارمولے کے تحت تسبیحات کر رہا ہوں اور میں ان تسبیحات کے دوران اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگا اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور مجھے عنایت کر دیا اور اس عنایت میں ایسی ایسی خامیوں سے چھٹکارا بھی شامل ہے جن کے بارے میں میرا خیال تھا، یہ میری فطرت کا حصہ ہیں اور انسانی فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے میری ان خامیوں کو خوبیوں میں بدل دیا چنانچہ آپ میرے تجربے کی بنیاد پر یہ فارمولا استعمال کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر بھی کرم کریگا۔

مرد مومن اقبال کی نظر میں

(عبدالرشید ساہی)

اللہ تعالیٰ اور آپ کے محبوب مصطفیٰ ﷺ کے ذکر میں آنے والے لوگ Selected ہوتے ہیں میاں صاحب فرماتے ہیں:

؎ ثریا شاہ تجن دے آکھے سنگ وسار تمامی　　خاص تجن دے خانے اندر جاندے نئیں ہاں عامی

روحانی، وجدانی اور ربی محفلوں میں صرف صاحب نصیب ہی آتے ہیں بلکہ صاحب انہیں خود بلاتے ہیں یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

؎ جن کے اچھے نصیب ہوتے ہیں وہ نبی ﷺ کے قریب ہوتے ہیں
شاد ذکر حبیب ﷺ کرنے سے ان کے جلوے نصیب ہوتے ہیں

قسمت یاوری کرے تو منزل نصیب ہوتی ہے پھول صرف موسم بہار میں کھلتے ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے　　شکار مردہ سزاوار شہباز نہیں

حمد وثنا صرف اس ذات بے ہمتا کو بجتی ہے جس نے اس کارخانہ عالم کی ہر شے کو عدم کی اندھیروں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ میں لا کھڑا کیا، رنگ و بو کی اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایک ہے وہی ربّ جلیل وجمیل۔ ہماری حیات کا کفیل ہے ہماری ذات کا وکیل ہے سب معاملات میں دخیل ہے وہی قاضی الحاجات ہے وہی قضا وقدر کو بدل سکتا ہے۔

؎ اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے　　اس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

لاکھوں درود وسلام اس کے آخری اور بے مثل رسول ﷺ پر جنھوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی انسانیت کو رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا اور دنیا کے ظلمت کدوں میں حق کی پرنور مشعلیں روشن فرمائیں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

میرا عنوان "مرد مومن اقبال کی نظر میں" مجھ پر اللہ کا خاص فضل ہے گنبدِ خضراء سے سفارش ہے اور پیرو مرشد کی نگاہ فیض کا اثر ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

؎ مرد مومن صاحب ایمان ہوتا ہے، صاحب وجدان ہوتا ہے، صاحب عشق ہوتا ہے، صاحب نسبت ہوتا ہے اور صاحب نصیب ہوتا ہے اس کی نظر حقیقت شناس ہوتی ہے۔

؎ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

دیکھنے اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس کائنات میں مرد مومن بنانے والی نگاہ ضرور کارفرما ہے، کوئی ہے اس پردے کے پیچھے، کسی کا ہاتھ ضرور ہے جو انسانوں کو ایمان عطاء کرتا ہے ایک ایسی ذات موجود ہے جس کا قرب انسان کو مرد مومن بنا دیتا ہے۔ ایسی ذات جو نظر ملا کر انسان کو بدل کے رکھ دیتی ہے دیکھنے والے بے خبر رہتے ہیں اور بدلنے والا بدل چکا ہوتا ہے وہ ذات علم لدنی کے خزانے لٹاتی ہے، پھر مرد مومن جہاں جہاں سے گزرتا ہے راستے جگمگا اُٹھتے ہیں۔ ایک نگاہ فیض ادھر بھی موجود ہے اور ایک نگاہ فیض نے مجھ روسیاہ کو یک نظر بدل دیا۔ میں نے قبلہ ڈار صاحبؒ سے پوچھا یہ کیسے ہوتا ہے انہوں نے فرمایا "جب اوپر والے کا فضل ہوتا ہے۔"

؎ جانتا ہوں تیری اسوہ گری کو اے ساقی کام کرتی ہے نظر، نام ہے پیمانے کا

جس طرح مشاہدہ کا بیان مشاہدہ نہیں ہوتا اسی طرح مرد مومن کی نا بانیاں پڑھنے یا سننے والی بات نہیں بلکہ دیکھنے والی شے ہے جہاں اہلِ خرد کی حد ہے وہاں سے مرد مومن کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ مرد مومن اس مقام پر ہوتا ہے جہاں **قال** کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ارشادِ ربّانی ہے "ساری کی ساری عزت اللہ کے لئے اس کے محبوب مصطفیٰ ﷺ کے لئے اور مومنین کیلئے ہے"۔

؎ آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے پھر کسی کو، پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

مردِ مومن الفاظ سے گریزاں ہوتا ہے۔ وہ اس کائنات میں نئی کائنات دریافت کر چکا ہوتا ہے۔ وہ ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو ذاتِ یکتا کے رنگ میں ایسا رنگ لیتا ہے کہ سوتے جاگتے اسی کے جلوے دیکھتا ہے وہ ذاتِ کبریا کے اسرار و رموز کا راز داں بن جاتا ہے اور اس کی یاد میں فنا ہو کر امر ہو جاتا ہے۔

؎ خود کو اتنا محو کر لیتا ہوں تیری یاد میں تو ہی تو ہوتا ہے کوئی دوسرا ہوتا نہیں

حدیثِ قدسی ہے کہ جب بندہ میرے قرب میں آ جاتا ہے تو میں اس کے ہاتھ، کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں اور پھر اس کا ہاتھ میرا ہی ہاتھ ہوتا ہے پھر وہ میری ہی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: "جو شخص نفسانی خواہشوں سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ مردِ مومن تغیر و تبدل سے متاثر نہیں ہوتا موسم بدلتے ہیں زمین و آسماں کے جلوے بدلتے ہیں آغاز و انجام کے رشتے بدلتے ہیں لیکن مردِ مومن نہیں بدلتا وہ زندگی اور موت کو ایک حقیقت کے دو رخ سمجھتا ہے وہ غم اور خوشی سے نجات پا چکا ہوتا ہے اس کے نزدیک ماضی حال اور مستقبل ایک ہی زمانہ شمار ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

؎ موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

مردِ مومن زمین و آسماں کے انوکھے رشتوں کا مفسر ہوتا ہے اس فنا کے دیس میں مُلکِ بقا کا سفیر ہوتا ہے وہ ایسا صاحبِ جنوں ہوتا ہے جو خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوتا ہے۔

؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

مردِ مومن اس منزل پر ہوتا ہے جہاں سفر ہی مدعا سفر ہے جہاں نہ فراق ہے نہ وصال نہ کوئی اپنا ہے نہ غیر وہ سکوت سے ہمکلام رہتا ہے۔

؎ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

مردِمومن ذات وصفات کے تعلق سے آشناء ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ عیاں کا رشتہ ہر حال میں نہاں سے قائم رہتا ہے۔ وہ خود ہی آخری سوال اور خود ہی اس کا جواب، وہ اپنے وجود میں اپنے علاوہ بھی موجود رہتا ہے وہ ایک ایسی جلوہ گاہ میں محو کھڑا ہوتا ہے جہاں آنکھ کی بینائی کا پردہ حائل نہیں ہوتا اس کی پیشانی زمین پر ہوتو سجدہ گاہ آسمان پر ہوتی ہے، اس کا دل اس کی آنکھ میں اور آنکھ دل میں ہوتی ہے اس پر نہاں کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں لامکاں پر تصرف حاصل ہوجاتا ہے بے پردہ یار نظر آتا ہے۔

؎ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

مردِمومن کوئی انوکھی مخلوق نہیں وہ خود بھی انسان ہے انسانوں کی دنیا میں ان کے درمیان رہتا ہے۔ لیکن اس کا اندازِ نظر، اندازِ فکر اور اندازِ بیاں دوسرے انسانوں سے جدا ہوتا ہے وہ مجسمہ تسلیم ورضا ہوتا ہے اور قانونِ فطرت کا تابع فرماں ہوتا ہے۔ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ نے اس حقیقت سے یوں پردہ اٹھایا ہے۔

؎ تیری نگاہ ناز میں میرا وجود بے وجود میری نگاہ تلاش میں تیرے سوا کوئی نہیں

مردِمومن خدائی مصوری کا شاہکار ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی ایک مردِمومن سے ملاقات ہوئی۔ اپنے وقت کا پیغمبر اپنے دور کے مردِمومن سے مل کر حیران ہوگیا۔ حضرت موسیٰؑ اپنے دور کے حال کو دیکھ رہے تھے اور مردِمومن مستقبل کے واقعات کو دیکھنے میں مصروف تھا ایک مردِمومن حضرت سلیمانؑ کے دربار میں موجود تھا جس نے آنِ واحد میں ملکہ بلقیس کا تخت دربار سلیمانی میں حاضر کر دیا ایک مردِمومن نے دریائے نیل کو خط لکھ دیا کہ ''اپنی روانی برقرار رکھو'' تاریخ گواہ ہے کہ وہ آج تک خشک نہیں ہوا۔

؎ جلانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ پنہاں سے تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

مردمومن کے پاس وہ علم ہوتا ہے جس کی تلاش میں انسان زندگی سے نکل جاتا ہے اور پھر موت سے بھی نکل جاتا ہے اور حیات جاوداں پالیتا ہے۔ جوایک ہوگیا، یکتا ہوگیا وہ مر نہیں سکتا۔ وحدت کو موت نہیں اور کثرت موت سے بچ نہیں سکتی، جو بدلتا نہیں مرتا نہیں ۔مردمومن کی نگاہ نے مولانا رومؒ کومولائے روم بنادیا اور پیر رومی کے فیض سے مرید ہندی اقبالؒ فطرت شناس ہوگیا اقبالؒ باکمال ہوگیا۔

جلاسکتی ہے شمع کشتہ کوموج نفس اُن کی الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اگر صاحب کا کرم کسی کومردمومن بنادے تو ہم اعتراض کیوں کریں! فتویٰ تو اقبالؒ کے بھی خلاف تھا مگر فطرت اس کی آنکھ میں خاک مدینہ کا سرمہ لگارہی تھی وہ دانائے راز بنادیا گیا فقیری عطاء ہوئی ،عمرؓ بن خطاب تو قتل رسول ﷺ پر معمور تھا، عمر،عمر فاروقؓ کیسے بن گیا بنانے والے نے بنا دیا ۔بنانے والے نے بلال حبشیؓ کو یا سیدی بلال بنا دیا وہی کافروں کوایمان کی دولت عطاء کرتا ہے اندھیروں کو روشنی بخشتا ہے ۔عاصیوں کو معاف کر دیتا ہے اور صاحبان استقامت کواپنے لطف میں داخل فرما کرمردمومن بنادیتا ہے۔

فصل گل میں کب کبھی کوشان زیبائی ملے چندکلیوں کو بہاروں سے شناسائی ملے

فتویٰ دینے والوں کاایک گروہ محمدعلی جناح کے بھی خلاف تھا مگر فطرت اور حقیقت اس کے ساتھ تھی اسے قائداعظم بنادیا گیا وہ امر ہوگیا یہ کسی ذات کا فیض تھا اور کاتب تقدیر کا فیصلہ تھا اہل باطن قائداعظم کے ساتھ ہوگئے ۔منزل مل گئی ملک بن گیا قائداعظمؒ دلوں میں اتر گئے اور مخالفین دلوں سے اتر گئے لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ جوتحفہ خداوندی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صورت میں ہمیں عطاء ہوا جس کے بدلے میں ہمیں بے پناہ قربانیاں دینا پڑیں ۔آج تک ہم اس ملک میں خدائی احکامات کانفاذ نہیں کرسکے ارشاد ربانی ہے: "یھود و نصاریٰ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہوسکتے یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔

لیکن اتنے واضح حکم خداوندی کے باوجود ہم انہیں کے تلوے چاٹ رہے ہیں ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

؎ یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا روحِ محمد ﷺ اس کے جسم سے نکال دو

؎ اہل عرب کو دے کے فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

حکمرانو! ملک پاکستان کے اندر انصاف کی پاسداری کو یقینی بناؤ مظلوم تمہارے محلوں کے سامنے خودکشیاں کر رہے ہیں یہ خون تمہارے سر ہوگا تم مظلوموں کو انصاف مہیا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم قرار پاؤ گے خبردار! یہود و نصاریٰ کے جال میں پھنس کر اللہ کے دین قیم کی رسی نہ چھوڑو ۔آج بھی گم کردہ راہ لوگ متاعِ ایمان لوٹنے کیلئے اپنی تمام کوششیں صرف کر رہے ہیں اسلامی معاشرہ کی بربادی کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے ۔فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہالے جانے کیلئے بڑھتا چلا جا رہا ہے ۔کاش! ہم اب بھی ہوشیار ہو جائیں ۔ چور نہیں، بلکہ وہ مالک قابل ملامت ہے جو اپنے قیمتی سامان کی حفاظت نہیں کرتا ۔یہ دنیا ایک عارضی قیام گاہ ہے ایک روز یہاں سے رخت سفر باندھنا ہے اور اپنے علیم وخبیر ربّ کی عدالت میں پیش ہونا ہے ۔اپنی بدعملی اور گمراہی پر اب تو تم طرح طرح کے خوبصورت پردے ڈال کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اس روز کیا کرو گے جب سب پردے اٹھا دیئے جائیں گے اور حقیقت بے نقاب کر دی جائے گی ۔جس قوم کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب اور رؤف و رحیم رسول ﷺ مبعوث فرمایا قرآن مجید جیسی روشن، مدلل اور لاریب کتاب نازل فرمائی اور ہر لحہ ان کو اسلام کی حقانیت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی جاتی ہے لیکن وہ قوم پھر بھی پستی سے بلندی کی طرف گمراہی سے ہدایت کی طرف، باطل سے حق کی طرف آنے سے انکار کرتی رہے تو پھر خدا ھی حافظ ۔

ملک تو پاک ہے "پاک سرزمین شادباد" لیکن ملک میں امن نام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔دہشت گردی، قتل و غارت ،افراتفری، غنڈہ گردی، فحاشی، عریانی، بد دیانتی، رشوت

خوری، دھوکہ بازی، ملاوٹ اور عدالتی قاضیوں کی بے حسی نے ملکی استحکام کو داؤ پر لگا دیا ہے پاکستان میں انصاف کا حصول تقریباً ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ انصاف کی تلاش میں دنیا سے انسان چلا جاتا ہے مگر انصاف **ندارد**۔ اللہ تعالٰی کفر تو برداشت کر لیتے ہیں مگر ظلم برداشت نہیں کرتے۔ شعور والے لوگ کہتے ہیں معاشرہ میں انصاف کی حکمرانی اتنی ہی ضروری ہے جتنی زندہ رہنے کے لئے آکسیجن کی۔ ارشاد ربانی ہے۔ "انصاف کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں"۔

؎ خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

دعائے مغفرت

بابا جان قبلہ محمد یعقوب صاحب کے ہم زلف کو ان کے جواں سال بیٹے سمیت
کراچی میں بھتہ نہ دینے کی بناء پر دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔
ان کے درجات کی بلندی اور پاکستان، بالخصوص کراچی میں امن وامان کیلئے دعا فرمائیں
مزید برآں شجاعباد کے سید رحمت اللہ اور سید عابد کبیر شاہ کے سسر
جناب سید علی حسنین مصطفٰی شاہ اور ملتان کے فیصل خان کے والد احمد نواز خان،
چوک اعظم کے بھائی پروفیسر شبیر کے ماموں محمود احمد بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحومین کے مغفرت کیلئے دعا کی درخواست ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
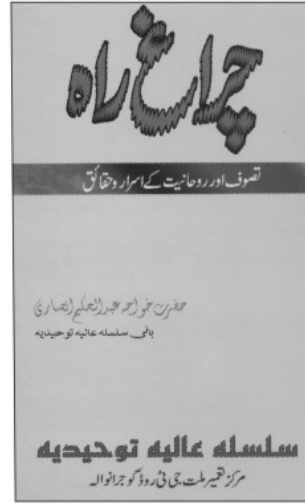
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصرسی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیاہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پرروشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں: ۔حضرت مجددالف ثانیؒ کانظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت ،بنیادی سوال جس نےنظریہ وحدت الوجودکو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
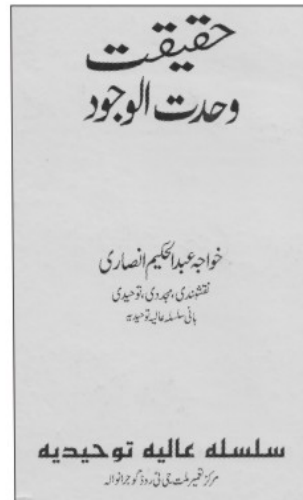
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
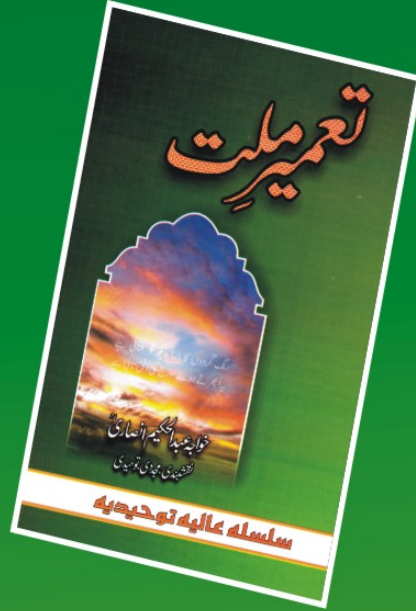
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com